کتاب اور نیز ہر قسم کی کتابیں ایس۔ ار۔ مہرہ۔ براد رس۔ شاہ عالمی دروازہ لاہور سے طلب کرو

سوانح عمری

نوّاب زیب النّسا بیگم

بنت

شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر غازی شہنشاہ ہندوستان نور اللہ مرقدہٗ

جسمیں شہزادی موصوف کی شاعرانہ اور عالمانہ زندگی کے تفصیلی حالات قلمبند کرنیکے علاوہ ان واقعات کی [illegible] تردید کیگئی ہے۔ جو سرتا پا غلط ہیں۔ اور جن کو واقعہ تسلیم کرنے سے اس عظیم الشان شہزادی کے کیرکٹر پر دھبا آتا ہے۔

از

حکیم مظفر حسین صاحب دہلوی مصنف "نالہ موزوں"

جسکو

[illegible] بک مرچنٹ کشمیری بازار لوہاری گیٹ لاہور

نے

[illegible]

میں

[illegible] چھپوا کر

تحفۂ تسخیرات

تسخیر ہمزاد و ہپناٹزم:- کون شخص ہے جو تسخیر کا خواہاں نہیں پس پبلک کو ضرورت محسوس ہوتی دیکھکر ایک بزرگ کے سینۂ جوہر کا اظہار اس کتاب میں کر دیا گیا ہے۔ جو لاکھوں روپے خرچ کرنے پر بھی دستیاب ہونا محال تھا ہمزاد کو بس میں کرکے ہر ایک شخص اپنا مطلب حاصل کر سکتا ہے مسمریزم کی بینظیر کتاب ہے۔ اسکے ذریعے سے دوست کو قابو میں کرنا اور اپنے پر فریفتہ و شیفتہ کرنا۔ دور دراز مقامات سے بذریعہ کشش طلب کرنا۔ کسی ایک جگہ سے تحفہ جات منگوانا۔ غیب کی بات جانچنا۔ ہر ایک مرض کا علاج۔ دفینہ معلوم کرنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ الغرض اسکے مطالعہ سے انسان پورا کراماتی اور ولی کامل بن سکتا ہے قیمت۔ (۸ر)

جوہر آدم:- مصنفہ حکیم بھولا خانصاحب۔ اسمیں حالات بابا آدم و طریق حبس دم اور سحر و طلسم۔ عملیات۔ تنتر۔ جنتر وغیرہ درج ہیں۔ کچھ حصہ کوک شاستر کا نہایت خوش اسلوبی سے دکھایا گیا ہے۔ حب و تسخیر کے خواہشمندوں کے واسطے عجیب و غریب کتاب ہے۔ اور قابل دید ہے۔ قیمت۔ (۸ر)

مخزن مسمریزم:- ایسا کوئی بشر نہیں نظر آتا۔ جو لوگ کے نام سے بے بہرہ ہو۔ خداشناسی و طاقت تسخیر اور کشف و کرامات یہ سب بذریعہ یوگ ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں ہمنے پبلک کی خواہشات کو پورا کرنے کی خاطر تیار کرایا ہے کیونکہ جدھر نظر اٹھتی ہے۔ کثیر تعداد تسخیر کے شائقینوں کی نظر آتی ہے۔ اور چاروں طرف سے یہی صدائیں کانوں تک سنائی دے رہی ہیں اس کتاب کے مطالعہ سے تمام خواہشات پوری ہو جائینگی۔ اسمیں مسمریزم کے تمام حالات بذریعہ یوگ مفصل طور پر درج ہیں۔ عامل و معمول ہر دو کے طریق و شناخت معمول کو روشن ضمیر کرکے دلچسپ واقعات کا معلوم کرنا علم غیب کا جاننا۔ دوسرے کی دلی بات کا جاننا۔ اور کسی کو مطیع کرنا معشوق کو فریفتہ و شیدا کرنا وغیرہ وغیرہ۔ قیمت۔ (عہ ر)

چلتا جادو:- یعنے ایک نہایت مفید اور پُراسرار کتاب جسمیں تسخیر کے عمل اور ہمزاد کو قابو میں لانے کیلئے عام سہل طریقے۔ اور علم مقناطیسی یعنی مسمریزم کے ابتدائی حالات اور اسکے ذریعہ امراض کا معالجہ سہل طریقوں میں بتلایا گیا ہے۔ قیمت۔ (مہ)

تمہید

منظور ہے گذارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

حکمار کا قول ہے کہ زمانہ حرکت دولابی کرتا ہے۔ یعنی اپنے مقررہ وقت پر جسکی میعاد کئی ہزار برس ہوتی ہے۔ پھر وہیں آجاتا ہے۔ اسی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں اس طرح بیان کرسکتے ہیں۔ کہ زمانہ کی اقوام اپنی تواریخ دُہراتی رہتی ہیں۔ اگر آج کسی قوم کو عروج ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں۔ کہ کچھ مدت تک وہ شکار زوال رہے۔ اور پھر یکبیک پہلا سا عروج حاصل کرے۔ اسیطرح اگر آج ایک قوم نکبت زدہ ہے۔ تو ممکن نہیں کہ کچھ عرصے میں اسکے افراد ترقی کے اعلے معراج نہ حاصل کریں۔ اگر یہ تصور ہی صحیح ہے۔ جیساکہ ماہرین فلسفہ تاریخ اور محققین حالات ازمنہ ماضیہ کا مذہب ہے۔ تو اسمیں بھی کلام نہیں ہوسکتا۔ کہ کسی قوم کا گیا ہوا عروج حاصل کرنے کی سہل ترکیب اگر کوئی ہوسکتی ہے۔ تو یہی ہوسکتی ہے۔ کہ اس قوم کی گذشتہ تاریخ اسکے ہر ایک فرد بشر کے ذہن نشین کرادی جائے۔ گو بہت سے اہل الرائے اسکو "استخواں فروشی" سے تعبیر کرکے فرماتے ہیں۔ کہ "پدرم سلطان بود" "ترا چہ"

یہ اعتراض ایک حد تک قابل تسلیم ہے۔ اگر ہمارے بزرگ ایسے تھے اور ویسے تو ہیں کیا۔ ہم تو ویسے اسیوقت تک ہوسکتے ہیں۔ جبکہ ہماری ذات میں وہ وصف پایا جائے۔ گویا بزرگوں کی ذات میں کسی وصف کا وجود ہمارے لئے مفید نہیں۔ لیکن اسبات کو بھی نظر انداز نہ کردینا چاہیئے۔ کہ جب کسی قوم کے افراد میں سے ہر ایک فرد اپنی قومی تواریخ میں پڑھتا ہے۔ کہ ہمارے بزرگ ایسے تھے۔ تو معاً اسکے دل میں یہ بھی خیال پیدا ہوجاتا ہے کہ ہم بذات خود کیسے ہیں؟ گویا وہ اپنے ذاتی اوصاف کا مقابلہ اپنے دُنیا سے اُٹھے ہوئے بزرگ یا بزرگوں سے کرتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ اسکا جواب عموماً اُسکا ضمیر یہی دیگا۔ کہ تو یہ ہم انکے برابر کہاں۔ اسکے ساتھ ہی طبیعت میں ایک قسم کی مردانہ حمیت و غیرت بھی پیدا ہوگی۔ اور اگر وہ فرد قوم واقعی اپنے جذبات کا پختہ اور مزاج کا مستقل ہے۔ تو وہ چلا اُٹھیگا۔ کہ کیا ہم بھی ویسے ہی ہوسکتے ہیں۔؟ اسکا ضمیر دل جواب دیگا۔ بیشک۔ بشرطیکہ تم کوشش کرو۔ کیونکہ وہ بھی انسان تھے۔ اور تم بھی انسان ہو۔ تمہارے پاس وہی حواس

جذبات ہیں۔ جو تمہارے بزرگوں کے پاس تھے۔

تاریخ شاہد ہے کہ انسانی خیالات کے ایسے ہی طلاطم نے قوموں اور ملکوں کی کایا پلٹ کردی ہے۔ اور انکو عروج زوال کے اس طرح نقشے دکھا دیے ہیں۔ جیسے ایک تھیٹریکل کمپنی چند گھنٹوں یا زیادہ سے زیادہ ایک شب میں ہزاروں برس کے واقعات پیش کرکے نتیجہ سے بھی مطلع کردیتی ہے۔"

شائد انہیں فوائد کو مدنظر رکھکر اقوام کی تاریخ نگاری کا دنیا میں رواج ہوا۔ اسی تاریخ کی ایک شاخ ہے۔ بیوگریفی یا سوانح نگاری یعنی کسی قوم کے اس ممبر کے جو دیگر افراد سے کل صفات یا بعض صفات میں ممیز ہو۔ سوانحعمری کا قلمبند کرنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ بیوگریفی کی اختراع کا "زمانہ" تاریخی "زمانہ" سے۔ بہت پیچھے ہے۔ قراین سے پایا جاتا ہے کہ اس سے قبل "سلف صالحات" کے حالات نہایت اختصار کے ساتھ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ محض اشارات کے طور پر گیتوں یا نظموں میں محفوظ کئے جاتے ہیں۔

جب تاریخی زمانہ آیا۔ تو اس کے کچھ عرصہ بعد تقریبًا ایک صدی گذر جانے پر سوانح نگاری کا رواج ہوا۔ لیکن ہمکو یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ گو زمانہ اسلام سے بہت قبل سوانح نگاری کا کچھ نہ کچھ وجود تھا ضرور لیکن اس فن میں باقاعدگی کی روح پھونکنے کا فخر صرف عرب علما ہی کو حاصل ہے۔ یوں تو بیوگریفی کا پتہ کم و بیش قدیم سے قدیم زمانہ سے ملتا ہے۔ چنانچہ صفحات تاریخ قدیم پر ثبت ہے کہ "بعد تحریر توریت مقدس" جو سب سے پہلی تحریر ہے۔ اس سے قبل کسی قوم کو لکھنا نہ آتا تھا۔ یہودیوں نے سوانح نگاری کو رایج کیا۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہ اس فن کو ترقی نہ دے سکے۔ نہ اسمیں باقاعدگی پیدا کرسکے۔ گویا انکا کام "سوانح نگاری" کا نقش اول پیدا کرنا تھا۔ اور بس۔ مگر اس سے کوئی یہ نہ سمجھے۔ کہ انکا کام اہم اور قابل صنعت نہ تھا۔ بیشک تھا۔ اور ضرور تھا۔ کیونکہ ایجاد کا سہرا اسی قوم کے سر ہے۔ گو وہ ایجاد کیسی ہی نامکمل صورت میں تھی۔ کیونکہ اسکے بعد جن اقوام نے اس فن کو رونق دی وہ ع

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

کے مصداق تھیں۔ یہودیوں نے اپنے زمانہ کی بڑی بڑی لڑائیوں کے حالات قلمبند کرکے آئیندہ نسلوں کیلئے بطور یادگار چھوڑے۔ جب یہود کی تہذیب و شائستگی کا آفتاب ڈھلتے ڈھلتے غروب ہونے کو ہوا۔ تو یونان کو چار چاند لگے۔ یونانیوں نے جہاں ملک پر قبضہ کیا

وہاں علوم فنون پر بھی اپنا ہی سکہ جمایا۔ بیوگریفی بھی یہودیوں سے یونانیوں کے ہاتھ میں آئی۔ مگر افسوس کہ یہ لوگ ایک قدم بھی آگے نہ بڑھا سکے۔ ضرورت تو یہ تھی۔ کہ اس فن کی کسی قدر اصلاح کی جاتی۔ جس سے اسمیں ترقی ہوتی۔ لیکن وہ کچھ نہ کرسکے۔ انکا کام لے دیکے یہ تھا کہ وہ اپنے بزرگوں کے حالات ایک مبالغہ آمیز قصیدہ کی طرز پر قلمبند کرلیتے تھے جنمیں اسقدر جھوٹ رنگ آمیزی کیجاتی تھی۔ کہ اصلی حالات کا معلوم کرنا تقریبًا ناممکن معلوم ہوتا تھا۔ اس جدت کا موجد" حکیم ارسطو" بتایا جاتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ یونانیوں میں سب سے پہلے اس حکیم نے اپنے سالے"دوھرمیاس کا مرثیہ اسی مبالغہ آمیز رنگ میں لکھا۔ یہ شخص شاہ ایران کے حکم سے اسی زمانہ میں بیگناہ قتل ہوا تھا۔ اسی زمانہ میں اس حکیم نے سکندر اعظم کے حکم سے" ہومر" کے حالات قلمبند کرکے بیش بہا صلہ حاصل کیا۔

لائف نویسی کا فن یونانیوں کے ذریعہ رومیوں میں پہنچا۔ مگر حق یہ ہے کہ انھوں نے اس فن شریف کو ترقی دینے کیسا تھا اور مسخ کردیا۔ گو واقعات سے اسے کوئی تعلق نہیں رہا محض قیاسات اور خیالات پر اسکی بنا قایم ہوگئی۔ اسبات کا پتہ اس زمانہ کے ان مرثیوں سے بخوبی چلتا ہے۔ جو مقبول شہداء کیلئے لکھے گئے۔ مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ ہو۔ ایک ایسے شہید کا حال ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ وہ (لاکی) جیکو فرشتہ معلوم ہوتی تھی۔ ایک ایک آسمانی نور اسکو محصور کئے تھا۔ اسکا چہرہ مسرت سے چمکتا تھا۔ اور بس یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ آسمانی مکان کی خوشبوؤں سے لطف اٹھا رہی ہے۔ جب میٹے اس سے باتیں کیں۔ تو وہ تاج جو اسکے مقسوم میں تھا۔ اسکو دکھلا کر اسکے ارادہ پر قایم رکھنے کی کوشش کی۔

ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔ کہ ان فقرات میں" واقعات" کتنے ہیں۔ اور مبالغات کسقدر!

الغرض جب تک کہ اسلام کی تہذیب و شائستگی صفحۂ تاریخ پر جلوہ آرا نہ ہوئی۔ تب تک یہ فن شریف گویا قالب بیجان تھا۔ عرب اٹھے۔ تو اپنا علم ادب سنبھالا۔ اور اسکی ہر ایک شاخ پر توجہ کی۔ بیوگریفی بھلا انکی نظر سے کیونکر اوجھل ہوسکتی تھی۔ انھوں نے سب سے پہلے آنحضرت کے۔ اسکے بعد اصحابہ کرام کے حالات قلمبند کئے۔ مگر کیسی باقاعدگی کیساتھ۔ کہ اصول روایت و درایت کے کانٹے میں تو لو۔ رتی برابر فرق نہ نکلے۔ روایتوں کے جانچنے کے اصول و قواعد مقرر کئے۔ غرضیکہ اس فن کو بالکل مکمل کرکے چھوڑ دے۔ یہ قرآن اول کے مسلمانوں کی کارگذاری تھی۔

مگر جب ہم آج اس فن پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو بعد المشرقین نظر آتا ہے۔ الغرض اب ہم ہر ایک بات میں یوروپ کے خوشہ چین ہیں۔ اور انکی تقلید ہمارے لیئے مایۂ تقلید ہے۔ لیکن اگر ہم اہل یوروپ کی کوششوں کا اسوقت اعتراف نہ کریں۔ تو بڑی ناشکری ہوگی۔ واقعی انہوں نے اس فن میں ایک ایسی روح پھونکی۔ کہ گویا اسے زندۂ جاوید کر دیا۔

جیساکہ اوپر تذکرۃً بیان ہوچکا ہے "سوانحعمری" کا مطالعہ انسان کیلیئے ایک نعمتِ غیر مترقبہ اور نہایت مفید ہے۔ اسکے مطالعہ سے جو فوائد بادی النظر میں خیال میں آسکتے ہیں۔ حسب ذیل ہیں:۔

جب ہم کسی شخص کے واقعات زندگی پڑھتے ہیں۔ تو ہمارے دلیں ایک قسم کی تحریک اور جوش پیدا ہوجاتا ہے۔ اور دلیں اُمنگ اُٹھتی ہے۔ کہ ہم بھی ویسے ہی کارنامے کریں۔ خودغرضی کا دامن بالکل چھوڑ دیں۔ قومی ہمدردی اور ایثار کے کام کریں۔ اور ایسے ایسے کارنمایاں کریں۔ کہ ہمارے بزرگوں کی طرح ہمکو بھی لوگ عرصہ دراز تک نہ بھولیں۔ بلکہ مدت العمر تک ہمارا نام عزت وتنظیم کیساتھ لیتے رہیں۔ جب ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں بہادر نے اپنی قوم یا اپنے ملک کی خاطر اپنی جان جیسی بیش قیمت شے کو قربان کر دیا۔ اور مُلک وملت کو آنیوالی تباہی سے بچالیا۔ گو وہ اپنی جان سے گیا۔ مگر کام کرگیا۔ اس لیئے زندہ جاوید ہے۔ پس ہمیں بھی ہمارا ضمیر کہتا ہے۔ کہ جان کی پرواہ نہ کرو۔ بلکہ اوروں کے لیئے زندہ رہو۔ اور ضرورت ہو تو اوروں کے لیئے مرجاؤ۔ یہ دوسرا سبق ہے۔ جو ہمکو سوانحعمری دیتی ہے۔

اسیطرح مردہ سے مردہ دل انسان جب معلوم کرتا ہے۔ کہ اُف فلاں شخص نے یہ کام کیا۔ اپنی چُستی۔ چالاکی سے نئی دُنیا دریافت کی۔ اپنے استقلال سے دُنیا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کیا۔ اور وہ بھی میری طرح انسان ہی تھا۔ تو دفعتًا اسکے جذبات میں ہیجان پیدا ہوجاتا ہے۔ جو اسوقت اسکے دلیں وہی سٹیم پیدا کر دیتا ہے۔ جسکو حمیت اور غیرت یا جوش کہتے ہیں۔ پس کون کہہ سکتا ہے۔ کہ ایسی حالت میں وہی مردہ دل انسان کیا کچھ کار نمایاں نہیں کر سکتا۔ اسلیئے سوانحعمری سے زیادہ محرک اور کوئی شے ہو نہیں سکتی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اہل مغرب پیشہ شاہیر کے کارناموں کو ایسی بلند آہنگی سے اپنی قوم کے سامنے پیش کرتے۔ کہ آج ہر ایک قوم نپولین اور نیوٹن اور واشنگٹن بننے کی کوشش میں مصروف نظر آرہا ہے۔

انگریزی سوانحعمریاں دیکھکر تقریبًا اسی۔ پچاس سال کے اندر ہندوستان میں بھی

سوانح نگاری پر توجہ کیگئی - اگرچہ اسکی ابتدا مسلمانوں کے ہاتھوں ہی ہوئی تھی - لیکن دوسری قومیں بھی خاموش نہ رہیں - اور انہوں نے بھی اپنے بزرگوں کے کارنامے ایسے جوش اور بلند آہنگی سے پبلک کے سامنے پیش کرنے شروع کئے - اور ایسی رنگ آمیزی سے کام لیا کہ گویا مسلمانوں کو پیچھے چھوڑ دیا مسلمان اہلِ قلم نے ایک اور غلطی بھی کی - جو بالخصوص قابلِ غور ہے - سیواجی مرہٹہ کا کیرکٹر ایک راجہ کی پوزیشن میں دکھایا جائے - اور اورنگ زیب کو بس ایک متعصب حکمران کا خطاب دیکر الگ بٹھا دیا جائے - اسکی وجہ سوائے اپنی قوم کی بد ذاتی اور سہل انگاری کے اور کچھ نہیں ہوسکتی

شہزادی زیب النسار کی سوانحعمریاں اب سے پیشتر ایک سے زیادہ شایع ہوچکی تھیں - اس لئے مجھسے یہ سوال کیا جاسکتا ہے - کہ مینے یہ تکلیف کیوں گوارا کی - شاید بعض احباب جلدی سے یہ بھی کہہ جائیں - کہ میاں انہوں نے کیا کیا ہے - پچھلی کتابوں کی اٹھاکر نقل کردی ہے - اور بس - لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ پچھلی سوانحعمریاں قوم کی بد مذاقی سے ایک عجیب پیرایہ میں لکھی گئی ہیں یعنی تاریک پہلو ایسا روشن نظر آتا ہے - کہ انکے پڑھنے سے بجائے فایدہ کے نقصان ہوتا ہے پس صرف ایک یہی بات تھی - کہ میرے دلپر چوٹ لگی - اور مینے ان تمام واقعات پر نظر ڈالی - جو شہزادی زیب النسا سے متعلق کئے جاتے ہیں - اور اصولِ روایت و درایت سے ہر ایک بات کو پرکھا -

مولانا شبلی نعمانی ایک ایسے بزرگ ہیں - جنکو تاریخ کا فردوسی کہنا چاہیئے تحقیق واقعات میں مولانا کا جو پایہ ہے - وہ میرے بیان کا محتاج نہیں - لہٰذا اگر انسے یہ توقع کیجاتی - کہ وہ شہزادی زیب النسار کی مفصل سوانحعمری لکھکر پیش کرینگے - تو بیمحل نہ تھی - اور میں عرصہ سے اسکا متلاشی تھا مگر مولانا "الندوہ" میں صرف دس بارہ صفحہ کا ایک آرٹیکل شہزادی کے متعلق لکھکر رہ گئے - یہ ظاہر ہے کہ ایسی عظیم الشان شہزادی کی لائف کیلئے ضرورت تھی - کہ نہایت تفصیل سے لکھی جاتی - مینے سوانح کی ہر طرح تکمیل کرنیکی کوشش کی - اور جہانتک ہوسکا - تواریخ سے مدد لی ہے لیکن میں اعتراف کرتا ہوں - کہ جیسی میری تمنا تھی - ویسی یہ سوانحعمری نہیں لکھی جاسکی - ہاں یہ ممکن ہے کہ اسکلے ایڈیشن میں اس کے مضامین میں کچھ اضافہ ہوسکے "

گو مولانا شبلی نعمانی کا متذکرہ بالا آرٹیکل مختصر تھا لیکن میں اعتراف کرتا ہوں - کہ مجھے اس سے بڑی مدد ملی چنانچہ اسکا مینے جابجا حوالہ دیا ہے - اور سچ پوچھیئے تو مجھے اس سوانحعمری کے لکھنے کا خیال ہی آرٹیکل دیکھکر ہوا اسلئے مجھے مولانا ممدوح کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے - اب ناظرین شوق سے اس سوانحعمری کا مطالعہ فرمائیں - اور جو کچھ مینے لکھا ہے - اسے بلا تعصب عقل کی کسوٹی پر رکھیں - اور راقم کو بہ دعائے خیر یاد فرمائیں - مئی ۱۹۱۱ء الراقم حکیم مظفر حسین اظہر دہلوی لاہور

زیب النساء بیگم

بنت

شہنشاہ عالمگیر غازی

خاندان ولادت شجرہ نسب

خاندان نواب زیب النساء بیگم صاحبہ مرحومہ نور اللہ مرقدہا جسکے حیرت انگیز اور تعجب خیز کارناموں اور سوانحمری پر آج نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ شہنشاہ اورنگ زیب۔ عالمگیر شاہ ہندوستان کی چہیتی بیٹی تھیں۔ جو قدرت سے غیر معمولی لیاقت اور ذہانت لیکر آئیں۔ اور جنکا نام اپنے علمی کارناموں کی وجہ سے ابدآباد تک آسمان شہرت پر آفتاب بنکر چمکتا رہیگا۔ یہ ممکن ہے۔ اُمیدا اور زمانہ ایسے لوگوں کا کوئی ظاہری نشان نہ رہنے دے۔ تودہ تربیتگے کو فنا کردے۔ یا خاکستر کے ذرات کو ہوا میں ایسا منتشر کرے۔ کہ نام تک باقی نہ رہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ آسمان ہو کہ زمانہ ہو۔ غرض کوئی ہو۔ نام کو مردہ نہیں کرسکتا۔ نام ہمیشہ باقی رہیگا بلکہ زمانہ کے ہر ایک نئے دور سے ایک نئی روشنی حاصل کریگا۔ اور دونی آب وتاب سے چمکیگا۔ اسکی مثال یوں ملاحظہ فرمائیے۔ کہ ایک بہادر ہے۔ اسنے اپنے ملک و قوم کی خدمت کے مقابلہ میں اپنی جان کی پرواہ نہ کی۔ بلکہ جان کو اسی میں کھپا دیا۔ تو اب اُسکے کارنامے لوگوں کے دلوں پر نقش ہیں۔ اور سینہ بسینہ اسکے تذکرے آئندہ نسلوں تک پہنچتے ہیں۔ اب اہل قلم کو خیال آیا۔ کہ ان زبانی روائیتوں کو سلسلہ تحریر میں لاکر جامۂ دوام پہنائیں۔ چنانچہ انہوں نے اسکے کارنامے قلمبند کرڈالے۔ پھر ایک اور مصنف اُٹھا۔ اسنے کچھ اور ہی رنگ چڑھایا۔ اور یہی مسئلہ اس انتہائی زمانہ تک چلا گیا۔ جسکو قیامت کہا جاتا ہے۔ وہی بات ہے۔

ہرگز نہ مدد آنکہ دلش زندہ شد زعشق

ثبت است برجریدۂ عالم مدام

ایسے ہی غیر معمولی کارناموں کے کرنے والوں کی نسبت کہا گیا ہے۔ ؎

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را

ہر زماں از غیب جانے دیگر است

مذکورہ بالا اصول کے مطابق ہماری ہیروئین زیب النساء بیگم کی بھی بہت سی سوانح عمریاں مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ اور یہ سلسلہ ابدآباد تک رہے۔ اور نئی روشنی کا پرتو قبول کرتا رہے۔ زیب النساء بیگم حسب و نسب کے لحاظ سے نجیب الطرفین ہونے کا فخر رکھتی ہیں۔ انکے والد بزرگوار تو شاہ اورنگ زیب خاندان مغلیہ کے چشم و چراغ تھے۔ اور انکی والدہ نواب دلرس بانو بیگم بنت شاہنواز خاں صفوی تھیں۔

شاہ نواز ایک ایرانی نژاد سردار تھا جسکا اوّل نام "میرزا بیرام الزمان" متروک ہو کر شاہ نواز مشہور ہوا۔ یہ سردار شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں کئی ممتاز عہدوں پر ممتاز رہ کر عرصہ تک دربار کی کئی اہم خدمات انجام دیتا رہا۔ جسکے صلہ میں اُسے دربار سے شاہ نواز خان کا خطاب عطا ہوا۔ جہانگیر کے بعد شاہجہاں کے عہد عدالت مہد میں اس سردار نے کئی کارہائے نمایاں انجام دیئے جس سے اسکی لیاقت و قابلیت کا پورا پورا سکہ شاہجہاں کے دل پر بیٹھا۔ شاہ نواز خاں کا خاندان بھی ایران میں خاص طور پر شہرت رکھتا تھا۔ لہٰذا شاہجہاں نے مناسب سمجھا کہ اس خاندان سے رشتہ اتحاد اور زیادہ مضبوط کیا جائے۔ ۱۰۴۷ھ میں شاہزادہ عالمگیر کی شادی شاہ نواز خان کی بیٹی دلرس بانو سے کرکے اسے شاہی خاندان کے سلسلہ میں منسلک کرلیا۔ طالب کلیم کیا اچھا مصرع تاریخ لکھتا ہے ؎

دو گوہر بہ یک عقد دوراں کشید

ولادت شوال ۱۰۴۸ھ میں یعنی شادی کے دوسرے سال زیب النساء تولد ہوئی۔ شاہی طریقہ سے جشن منایا گیا۔ قلعہ میں شادیانے بجنے لگے۔ محلات میں غیر معمولی چہل پہل نظر آنے لگی۔ بے شمار زر و جواہرات نثار کئے گئے۔ مدت تک نذر و نیاز کا اور انعام کا سلسلہ جاری رہا۔

زیب النساء کے چار اور بہنیں ہوئیں۔ جو اس سے سب چھوٹی تھیں۔ ان کے نام زینت[1] النساء بیگم۔ زبدۃ[2] النساء بیگم۔ بدر[3] النساء بیگم اور مہر[4] النساء بیگم تھے۔ چار بہنوں کے علاوہ

---

[1] زینت النساء بیگم کی سلطان اورنگ شاہ والی ترکستان سے شادی ہوئی۔ یہ نہایت فاضلہ اور قابلہ خاتون تھی۔ پولیٹیکل معاملات کو خوب سمجھتی جاتی چنانچہ سے عزیز شوہر کے دل میں بہانتک جگہ حاصل کی کہ کاروبار سلطنت میں اسکا ہاتھ بٹانے لگی اور بالآخر بجائے اسکی سلطنت بلا شرکت خود کرتی رہی۔ [2] زبدۃ النساء بیگم کا عقد دارا شکوہ کے بیٹے سپہر شکوہ سے ہوا مگر افسوس کہ عین عالم شباب میں یہ گُلِ شگفتہ صرصر اجل سے کملا کر گر پڑا۔ سه پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے ؛ حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے ؛ [3] بدر النساء بیگم بھی عین عالم شباب میں اپنے والدین کو داغ مفارقت دے گئی۔ [4] مہر النساء بیگم ایک طبیعت دار اور ذہین خاتون تھی اور اپنی قابلیت کے زعم میں زیب النساء سے بھی بڑھ کر سمجھتی تھی۔ اور اسکی شادی شہزادہ ایزد بخش سے ہوئی تھی جو شہزادہ کام بخش کا بیٹا اور عالمگیر کا بھتیجا تھا۔

اسکے پانچ بھائی تھے۔ جن میں سے دو شہزادہ محمدؐ اکبر و شہزادہ محمد اعظم حقیقی اور باقی تین شہزادگان محمدؐ سلطان۔ معظم شاہ۔ کام بخش دوسری ماں سے تھے۔ چونکہ ہم اسوقت سلطنتِ مغلیہ کی تاریخ نہیں لکھ رہے ہیں۔ بلکہ اسکی ایک ذہین خاتون کی زندگی پر نظر ڈال رہے ہیں۔ لہٰذا اس خاندان کے اور ممبروں کے ہم تفصیلی حالات قلمبند کرنے سے ذمہ وار نہیں۔ لہٰذا ذیل میں شجرہ نسب دیکر اس عنوان کو ختم کیا جاتا ہے ؎

شجرہ حسب و نسب زیب النّساء بیگم

(۱) امیر تیمور گورگانی

(۲) سلطان محمد مرزا

(۳) سلطان ابوسعید مرزا

(۴) عمر شیخ مرزا

(۵) ظہیر الدین مرزا

(۶) ہمایوں

(۷) اکبر

(۸) جہانگیر

(۹) شاہجہان

(۱۰) اورنگ زیب

(۱۱) زیب النّساء

شاہ نواز خان صفوی
|
نورسن بیگم زوجہ اورنگ زیب

بچپن تعلیم و تربیت موزونیت طبع کے ثبوت۔ آغازِ شاعری

ولادت کے بعد شاہی دستور کے مطابق اس دلچسپ بچے کی تربیت ہونے لگی۔ کئی قابل اور خاندانی خاتونیں اسکی خدمت پر مامور ہوئیں۔ لیکن خدمت رضاعت میا بائی کے سپرد ہوئی۔ زیب النساء ایک پیارا بچہ تھا جسکی دلچسپی اسکی عمر کیساتھ بڑھتی جاتی تھی۔ والدہ کی مسرت کا تو پوچھنا کیا! خود عالمگیر کی یہ حالت تھی۔ کہ دل ہی دل میں لڈو سے پھوٹتے تھے۔ اس کا قیاس کہتا تھا کہ یہ غنچہ گل شگفتہ ہو کر کوئی نئی بہار دیگا۔

ابھی زیب النسار کی عمر تین ہی سال کی تھی۔ اور تین سال کے بچے کی بساط کیا ہو سکتی ہے مگر بایں ہمہ یہ لڑکی اس صغیر سنی میں بھی ایسی متین تھی۔ کہ اپنے رضاعی والدہ میا بائی کے پاس خاموش بیٹھی ہوئی کلام مجید سنا کرتی تھی۔ میا بائی صوم وصلوٰۃ اور درود وظائف کی سخت پابند تھی۔ اس لئے اسے پہروں اسی شغل میں گذر جاتے تھے۔ مگر کیا مجال یہ تین برس کا بچہ ذرا بھی روئے دھوئے۔ یا اور کسی قسم کی طفلانہ حرکت کرے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ چپ بیٹھی ہوئی اپنی رضاعی ماں کی صورت دیکھے جاتی تھی۔ اور بس!۔

جب زیب النسار کی عمر پڑھنے کے قابل اور بقول ایک مورخ سوا چار سال کی ہوئی۔ تو شہنشاہ عالمگیر نے اسکی تعلیم کیلئے حافظ مریم کو مقرر کیا۔ یہ معزز خاتون جسنے تعلیم و تربیت اعلےٰ درجہ کی پائی تھی۔ سردار عنایت اللہ خان کی والدہ تھیں۔ یہ سردار دربار میں ایک معزز خدمت پر مامور تھا۔

حافظ مریم نے مسلمانوں نے عام رواج کے موافق جسکا سلسلہ آج بھی کم وبیش چلا جاتا ہے۔ اول قرآن مجید کی تعلیم دی۔ اور اس ہونہار بچہ نے صرف دو سال تین ماہ میں قرآن شریف ختم کر لیا۔ (ملاحظہ ہو مآثر الامرا جلد دوم صفحات ۸۰۰ و ۷۶۹) اسکے بعد حفظ کرایا گیا۔ لکھا ہے کہ جسوقت اسنے تمام کلام مجید حفظ کیا۔ اسکی عمر زیادہ سے زیادہ ۸ سال کی تھی۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔ کہ وہ خاتون قدرت سے غیر معمولی ذہن اور حافظہ لیکر آئی تھی جسکا ثبوت آئندہ صفحات کے ملاحظہ سے ملیگا۔ غالبًا اسکے بچپن کے حالات دیکھکر بہی شخصوں کے دلوں میں خصوصًا والدین کے دماغ میں یہ بات بارہا گذری ہوگی۔ کہ ایک نہ ایک دن یہ غنچہ اپنی رنگ وبو سے عالم کا دماغ تر وتازہ کریگا۔ اور شہرت دوام کا فخر حاصل کریگا۔

الغرض جب حافظ مریم کی کوششوں سے زیب النسار نے اس تھوڑی سی عمر میں ہی قرآن کریم حفظ کر لیا۔ تو والدین کی مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے تیس ہزار اشرفیاں اسکی فاضل معلمہ کو صلہ میں عطا کیں[1]۔

اور ایک روایت ہے۔ کہ زیب النسار کی بسم اللہ کی رسم شاہی خاندان کے مشہور استاد ملاں جیون کے ہاتھوں وقوع میں آئی تھی۔ اور قرآن شریف وابتدائی تعلیم ان ہی بزرگ نے دی تھی۔ لیکن ہمارے نزدیک پہلا بیان مستند ہے۔ کیونکہ ابتدائی تعلیم لڑکیوں کو خاتونیں ہی

[1] دیکھو معاصر عالمگیری صفحہ ۵۳۸۔

دے سکتی ہیں۔ اور زیادہ اثر ڈال سکتی ہیں۔ اور ایسی خاتون کی موجودگی جو قرآن شریف اور دیگر ابتدائی تعلیم دے سکیں۔ اسلام کے ہر زمانہ میں پائی جاتی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ زیب النساء ذرا سی عمر میں قرآن شریف اور ابتدائی تعلیم سے فارغ ہوگئی۔ پس قیاس کہتا ہے۔ کہ مرد ایسی تیز رفتاری سے لڑکی کو تعلیم نہیں دے سکتا۔ اور اصول تنقید روایت بھی یہی کہتا ہے۔ کہ تعلیم یافتہ عورتوں کے ہوتے ہوئے مردوں کو تعلیم کیلئے مقرر کرنا کسی صورت میں پسند نہیں کیا جا سکتا۔ اسلئے حافظ مریم کا زیب النساء کا پہلا معلمہ ہونا قرین قیاس ہے۔ البتہ اسمیں شک نہیں۔ کہ اسکے بعد کئی مرد شہزادی کے استاد مقرر کئے گئے ہیں چنانچہ شمس العلماء مولانا شبلی اپنے رسالہ "الندوۃ" کے ایک نمبر میں لکھتے ہیں۔ کہ تمام تاریخیں اور تذکرے متفق اللفظ ہیں۔ کہ زیب النساء نے عربی اور فارسی کی تعلیم نہایت درجہ کی حاصل کی تھی۔ اور بڑے بڑے علماء۔ فضلاء اسکی خدمت میں رہتے تھے۔ لیکن اسکے اساتذہ میں سے زیادہ مقرب اور باریاب ملاں سعید[1] اشرف ماژندرانی تھے۔

یہاں پر یہ بات نظر انداز نہ کردینی چاہیئے۔ کہ حافظ مریم اور ملاں اشرف کی تعلیم دہی کا زمانہ یکے بعد دیگرے مسلسل نہیں ہے۔ بلکہ درمیان میں ایک مدت حائل ہے۔ جسکے معنی یہ ہیں۔ کہ اسکے درمیان میں بھی کئی خاتون اور استادوں نے زیب النساء کو تعلیم دی ہوگی۔ مگر افسوس کہ اسکی تفصیل موجودہ تاریخوں سے نہیں معلوم ہوتی۔ اس امر کی تصریح کہ مذکورہ بالا ہر دو معلموں کی غیر مسلسل تھی۔ اس بیان سے بخوبی معلوم ہوجاتی ہے۔ کہ جب حافظہ مریم کی تعلیم دہی کا زمانہ ختم ہوا ہے۔ تو شاہزادی کی عمر دس بارہ سال کے قریب تھی۔ مگر جب ملاں صاحب کی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے۔ تو اسوقت زیب النساء کے شباب کا زمانہ ہے۔ اور اسکی عمر اکیس سال کے قریب ہے۔ اس سے یہ بھی ضمناً معلوم ہوتا ہے۔ کہ خاندان مغلیہ میں تعلیم نسواں کا سلسلہ کس عمر تک قائم رہتا تھا

شہزادی زیب النساء نے ملاں صاحب سے فارسی و عربی کی درسی کتابوں کے علاوہ فقہ۔ اصول فقہ۔ علم حدیث اور دیگر علوم بھی حاصل کئے۔

یہ شہزادی اپنی غیر معمولی ذہانت اور قابلیت کیساتھ قدرت سے موزونی طبع کا حصہ

[1] ملاں سعید۔ تقی مجلسی کے نواسے تھے۔ جو ایران سے ہندوستان آئے۔ اورنگ زیب نے انکو زیب النساء کی تعلیم پر مامور فرمایا۔ یہ ایک اچھے مدرس ہونے کے علاوہ شاعر بھی تھے۔ اور وہ عموماً اسی صنعت سے موصوف اور مشہور ہیں۔ ملاحظہ ہو تذکرہ میر آزاد۔

بھی لائی تھی جسکا ثبوت اسکی عمر کے بالکل ابتدائی حصہ میں ملتا تھا۔ چنانچہ اسکے اُستاد جب اسکے بھولے بھولے مُنہ اور پیاری پیاری زبان سے مقفیٰ فقرات جو خود بخود اسکے مُنہ سے بلاارادہ اور بلا تکلف و تصنع نکل جاتے تھے۔ سُنتے تھے۔ تو انہیں عجیب حیرت ہوتی تھی۔ اور شاید ایک اُستاد نے تو یہ پیشینگوئی بھی کردی تھی۔ کہ وہ اچھی مشاعرہ ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اسکے اُستاد ملاّں اشرف خود شاعر تھے۔ انکا قرب سونے پر سہاگہ ہوا۔ اور شاعری کی برق جواب تک شہزادی کے سینہ میں پوشیدہ تھی۔ یک بیک کوندنے لگی۔ چنانچہ وہ اشعار موزوں کرنے اور ملاّں صاحب ہی اصلاح دینے لگے۔ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اس شہزادی نے عربی علم ادب میں کافی دستگاہ حاصل کی تھی۔ اور یہ دیکھکر اور بھی حیرت ہوتی ہے۔ کہ اسکی شاعری کا آغاز بھی عربی زبان سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک تذکرہ میں لکھا ہے کہ زیب النساء نے اپنی ابتدائے شاعری کے زمانہ میں ہی ایک عربی قصیدہ لکھا۔ یہ حمد میں تھا۔ اتفاق حسنے سے اسوقت ایک عرب مکہ مکرمہ سے دربار میں آیا ہوا تھا۔ شہزادی کا قصیدہ اسکے روبرو بھیجا۔ یہ عرب ایک بیمثل ادیب تھا۔ عربی مادری زبان۔ نجدی نژادی اس پر طرّہ۔ علم و فضل اس پر مزید۔ غرضیکہ جب اس عرب کے سامنے یہ قصیدہ پیش کیا گیا۔ تو اسنے یہ رائے دی۔ کہ جس شاعر کا یہ قصیدہ ہے۔ وہ ہندی نژاد ہے۔ مگر ذہین اور طبیعت دار۔ کیونکہ بندش صحیح ہے۔ لیکن محاورات غلط! کہیں کہیں الفاظ بھی بیمحل استعمال ہوئے ہیں۔ لیکن باایں ہمہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک ایرانی یا ہندی نژاد کا ایسا پایہ کا قصیدہ کہنا معجزہ سے کم نہیں۔

یہ رائے گو بہت کچھ حوصلہ افزا تھی۔ لیکن زیب النساء کی طبیعت نے یہ فیصلہ کیا۔ اور خوب کیا۔ کہ عربی کی اجنبی اور رنگین زبان پھلنا پھولنا صرف اہل زبان کا ہی حصہ ہے۔ اور اس لیئے وہ تمام و کمال شاعرانہ قوت اپنی مادری زبان یعنی فارسی میں ہی صرف کرنے لگی۔ اور اسکے نتائج بہت اچھے ہوئے یہ "الشعراء تلامیذ الرحمٰن" ایک مشہور ضرب المثل ہے جس کی صداقت میں کسی قسم کے شک کو دخل نہیں۔ کیونکہ جن طبائع میں یہ مادہ موجود ہوتا ہے۔ وہ خود بخود پھوٹ پڑتا ہے۔ ع

شیشہ دل سے اچھل جاتی ہے ایسی شے ہے

شہزادی زیب النساء کی شاعری کا آغاز کوئی تیرہ۔ چودہ برس کی عمر سے قیاس میں آتا ہے مگر اسوقت طبیعت کی حالت ایک خودرو جنگل کی سی تھی جسمیں جہاں چند دلفریب پھولوں کے جھنڈ

نظر آتے تھے۔ وہاں چند قطعات لمبی لمبی گھانسوں کے بھی پائے جاتے تھے۔ کبھی کبھی خار بھی نظر آتے تھے۔ زیب النسا کی شاعری کی یہ حالت غالباً اکیس ۲۱ برس کی عمر تک رہی۔ جو کچھ ٹوٹا پھوٹا لکھا۔ اور وہ بھی متفرق طور پر بیاض میں ٹانک لیا۔ گویا اس پر قفل لگ گیا۔ تاکہ کسی بیگانہ کی اسپر نظر نہ پڑے۔ اور نہ غیر آشنا کان اس سے آشنا ہوں۔ آخر ملّاں سعید صاحب کو اس بیگم کی اُستادی کا فخر حاصل ہوا۔ ملّاں صاحب کی اتفاق سے ایک روز اُس بیاض پر نظر پڑ گئی۔ دریافت کیا۔ کہ کیا شہزادی صاحب یہ اشعار آپ ہی کے ہیں۔ شہزادی نے شرم سے گردن جھکالی شفیق اُستاد نے فرمایا۔ ماشاء اللہ خوب طبیعت پائی ہے۔ مگر مجھے بھی دکھلا لیا کرو۔ اُس روز سے شہزادی کا شوق سخنوری اور بھی بڑھ گیا۔ ملّاں صاحب اصلاح دیتے رہے۔ ملّاں اشرف تیرہ چودہ سال تک اُستادی کے تعلق سے زیب النسا کی خدمت میں رہے۔ لیکن آخر وطن کی محبت کی آگ جو ہر ایک انسان کے دل میں دبی ہوتی ہے یک بیک بھڑکی۔ کہ انہیں دہلی میں ایکدن گذارنا دُشوار ہوا۔ تاہم نہایت متانت اور ثقاہت کیساتھ ملّاں صاحب نے ایک رخصتی قصیدہ لکھکر اپنی شاگردہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اسکے تین شعر حوالہ قلم ہیں حسن طلب اور حسن درخواست ملاحظہ ہوں۔ یہ واقعہ سنہ ۱۰۸۳ھ کا ہے

یک بار از وطن نتواں برگرفت دل		در غربتم اگرچہ فزون است اعتبار
پیش تو قرب و بعد تفاوت نمی کند		گو خدمت حضور نباشد مرا شعار
نسبت چو باطنی است چہ دہلی چہ اصفہان		دل پیش تست من چہ بہ کابل چہ قندہار

یہ درخواست ایسے طریق سے نہیں کی گئی تھی۔ کہ منظور نہ ہوتی۔ آخر ملّاں صاحب خوشی خوشی اپنے وطن مالوفہ کو تشریف لے گئے۔ بوقت رخصت انکو کچھ انعام و اکرام عطا ہوا۔ اسکا تذکرہ تحصیل حاصل ہے۔

شہنشاہ اورنگ زیب نے جب عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اور مختلف محکموں کی اصلاح کی۔ تو کفایت کے خیال سے یا اپنے سخت پابند شریعت ہونے کی حیثیت سے ملک الشعرائی کا عہدہ تخفیف کر دیا۔ یہ درباری عہدہ قدیم سے چلا آتا تھا۔ چنانچہ عالمگیر کے عہد سے پیشتر فیضی طالب آملی۔ قدسی۔ کلیم وغیرہ مامور رہ چکے تھے۔ مگر اب دفعتاً اُڑا دیا گیا۔ اسیطرح سے علم موسیقی کا دربار سے کوئی تعلق نہ رہا۔ اس موقعہ پر مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔ دل نہیں چاہتا۔ کہ ناظرین کو اسکے لطف سے محروم رکھوں ؎

لطیفہ جب شہنشاہ اورنگ زیب نے دربار کے مغنی رخصت کردیئے۔ تو ان لوگوں نے علم موسیقی کا جنازہ نکالا۔ جب تابوت لیکر قلعے کے نیچے سے گذرے۔ تو جہاں پناہ نے پوچھا "یہ کیا ہے؟" جواب دیا گیا کہ "علم موسیقی" کا جنازہ۔ فرمایا کہ وہاں اسے اتنا گہرا دفن کرنا۔ کہ دوبارہ زندہ ہوکر نکل نہ بھاگے۔"

غرضیکہ عالمگیر کو بذات خود شعر و اشعار سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ یہی وجہ ملک الشعراء کے تخفیف کی تھی۔ اور شعراء کو گویا بے خانماں کردیا گیا تھا۔ مگر زیب النسا کی سخن سنجی اور قدردانی نے ایک نیا دربار کھولدیا۔ چنانچہ مختلف تقریبوں پر شعرا قصائد لکھکر گذرانتے۔ اور بیشمار صلے پاتے تھے۔ ان باتوں کا اثر باوجود عالمگیر کی خشک مزاجی کے اتنا عمدہ ہوا۔ کہ گویا شعر و شاعری کے بیجان قالب میں ایک نئی روح پڑگئی۔ شعر کا اتنا رواج ہوا۔ کہ معمولی عرض و معروض بھی شعر و اشعار ہی میں کیجانے لگی۔ اور اسکی ایک مثال اوپر گذرچکی ہے۔ اب ذیل میں چند واقعات اور ملاحظہ ہوں۔

(۲) نعمت خان عالی کو جو زیب النسا کا ہمعصر ایک نازک خیال بلند پایہ شاعر تھا۔ ایک دفعہ دفعتاً کچھ روپیہ کی ضرورت ہوئی۔ تو اسنے ایک مرصع کلغی جو دستار یا ٹوپی پر لگائی جاتی تھی۔ زیب النسا کی خدمت میں بطور نذر بھیجی۔ یا یوں کہیئے کہ فروخت کی غرض سے۔ مگر ایک مدت گذر گئی چھوٹی سرکار سے کوئی جواب نہ ملا۔ نعمت خاں نے کچھ روز تو انتظار کیا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا۔ اور اسنے حسب ذیل چار مصرع لکھکر شہزادی زیب النسا کی خدمت میں روانہ کیے۔ ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں۔ ؎

	در خدمت تو عیاں شدہ جوہر من		اے بندگیت سعادت اختر من
	ور نیست خریدنی۔ بزن بر سر من [۱]		گر جیغہ خریدنی است پس کو زر من

خزانۂ عامرہ سے منقول ہے کہ زیب النسا اس رباعی سے پھڑک گئی۔ ۵ ہزار روپیہ بھجوا دیا۔ اور کلغی واپس کردی۔

(۳) ارادت فہم ملکہ کی ایک خواص خاص تھی۔ ملکہ نے اسے دیوان خانہ میں اپنے اشعار کی بیاض لینے بھیجا۔ جب بیاض لیکر واپس آرہی تھی۔ حوض کے سنگ مرمر کے کنارے پر پاؤں پھسلا۔ خود تو بڑی مشکل سے سنبھل گئی۔ مگر بیاض حوض نے نگل لیا۔ وہ کانپتی ہوئی شہزادی

---

[۱] اگر کلغی خریدنی ہے۔ تو دام دلوایئے۔ ورنہ میرے سر پہ ماریئے۔ واپس کیجئے۔

کے سامنے آئی۔ اور دست بستہ عرض کی۔

قطعہ

اے ادا فہمے کہ پیشت فاضلانِ عصر را — شستشوئے مجموعہ اندیشہ باب افتادہ است
در خمِ افلاطوں زیادہ دانشت سرخوش بود — ہمچو مخمورے کہ در فکرِ شراب افتادہ است
گاہ گاہے گر زبے آدابی بادِ صبا — از گلِ روئے عرقناکت نقاب افتادہ است
آبِ حسرت در دہانِ افتراں گردیدہ است — آتشِ غیرت بہ جاں آفتاب ہم افتادہ است
ذہنِ صاقت تا علم گردیدہ در دار الشوری — طبع افلاطوں ز بس در آب ہم افتادہ است
دفتر ذہنگ در جنگش بخیر آگشتہ است — از کفش مجموعہ دانش در آب ہم افتادہ است
عرض حالیست در خاطر کہ در اظہار آں — بیند بیندم موج ساں در اضطراب افتادہ است
آں بیاض خاصۂ شاہی کہ در اطراف آں — جائے افشاں نقطہ ہائے انتخاب افتادہ است
آں مرصع خواں گر ریزے کہ باشد جلوہ گر — در او قافلش لیسے یا در آب و تاب افتادہ است
درش از دستِ ارادت فہم فاکم در دہن — چوں بیاض سینہ ماہی در آب ہم افتادہ است
زہیں از یاد معدن رفت آب دار — گوہر غلطاں ہم از چشم سحاب افتادہ است
بحر شعر آبدارش تازہ طوفاں کردہ است — کشتیش در چاہ موج اضطراب افتادہ است
گو بیا از سر بدر رفت است آب جد وشش — کیں چنیں گلزار اشعارش خراب افتادہ است
آہ ازیں غم در دلِ پیر و جواں پیچیدہ است — لرزہ ایں ہیبت بہ جاں شیخ و شاب افتادہ است
بسکہ مے بیند ہر یک بر گلوئے دیگرے — گر بیاض گردنش خوانند تاب ہم افتادہ است
من چہ گویم کاں چو مژگانِ خودش برگشت بخت — در تب ایں غم چناں از خورد و خواب افتادہ است
زاں زماں باز از پریشاں حالی و آشفتگی — ہمچو زلف خویشتن در پیچ و تاب افتادہ است
رات رنگ آتشیں چوں شمع صبح از عافیش — ہمچو نبض موج از اضطراب افتادہ است
فیض بخشا از رو ترپ در اندیشہ لیشی — کاتشے در دے چو شمع از رہ التہاب افتادہ است
ورنہ خواہی دید یکدم اخترِ افلاک را — از ہجوم گریہ اشکِ یکسر خراب افتادہ است

ایک تذکرہ میں تو یہ لکھا ہے کہ یہ قطعہ اسا دت فہم خواص نے ہی موزوں کیا تھا۔ اور اسقدر مبالغہ کیا ہے۔ کہ فی البدیہہ۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ ملاں اشرف سے یہ قطعہ لکھایا گیا تھا۔ چنانچہ "مجمع الغرائب" میں جہاں ملاں اشرف سعید کے حالات درج کئے گئے ہیں۔ وہاں یہ تمام اشعار

بھی نقل کئے گئے ہیں۔ ہندوستان کے سب سے بڑے محقق مورخ مولانا شبلی کا بھی اسی سے اتفاق ہے۔
(۴) زیب النساء کی خدمت میں ایک روشن طبع لونڈی روشن نامی تھی۔ ایک دن شہزادی نے اسے اپنے کمرے سے آئینہ لینے بھیجا۔ جب وہ آئینہ ہاتھ میں لئے ہوئے الڑھپتے سے آرہی تھی۔ وہ ہاتھ سے گر کر دو ٹکڑے ہوگیا۔ خواص دل میں بہت گھبرائی۔ آئینہ قیمتی تھا۔ اور وہ جانتی تھی۔ کہ یہ چینی آئینہ ہے۔ جو شاہ چین نے شہنشاہ ہند کے لئے بطور تحفہ بھیجا تھا۔ اور دربار سے شہزادی زیب النساء کو عنایت ہوا تھا۔ بہرحال وہ لرزتی۔ کانپتی شہزادی کے سامنے پہنچی۔ مگر بُت بنکر کھڑی ہوگئی۔ نہ ہلتی ہے نہ جلتی ہے نہ کچھ کہتی ہے نہ سنتی ہے۔ ملکہ نے کئی بار استفسار کیا۔ تو اسکی زبان سے بیساختہ یہ شعر نکلا۔ ع

از قضا آئینۂ چینی شکست

شہزادی نے اُسے تسلی دی۔ ذرا تیوری پر میل نہ لائی۔ بلکہ بے پرواہی سے کہہ دیا۔ ع

خوب شد اسباب خود بینی شکست

شہزادی زیب النساء سیاست میں

جیسا کہ مفصل طور پر بیان ہوچکا ہے کہ شہزادی کی طبیعت شاعرانہ واقع ہوئی تھی۔ اور اس لحاظ سے گویا وہ پولیٹیکل معاملات سے ناآشنائے محض تھی۔ نہ اسکو تعلیم و تربیت ہی اس قسم کی دی گئی تھی۔ مگر با ایں لبقول مولانا شبلی وہ بمقتضائے وقت اورنگ زیب کے پُرپیچ دور حکومت میں اس کلنک کے ٹیکے سے نہ بچ سکی۔ چنانچہ جب ۱۰۹۱ھ میں راجپوت قوم نے شاہی فوج کے مقابلہ میں علانیہ علم بغاوت بلند کیا۔ اور شہنشاہ اورنگ زیب نے اسکی سرکوبی کیلئے شاہزادہ اکبر کو فوج گراں دیکر مامور کیا۔ شہزادہ یلغار کرتا ہوا ریاست جودھپور پہنچا۔ مگر راجپوتوں نے اسے ایسے بھرے پر رکھا۔ کہ خود ان سے ملگیا۔ اور باپ سے منحرف ہوگیا۔ حتیٰ کہ عالمگیری لشکر کے مقابلہ کے لئے پیشقدمی کی۔

چونکہ شہزادہ اکبر اور شہزادی زیب النساء حقیقی بھائی تھے۔ اسلئے دونوں کے درمیان سلسلہ خط و کتابت جاری رہا۔ گو یہ خطوط معمولی تھے۔ مگر وہ وقت ہی کچھ ایسا نازک تھا۔ کہ ان خطوط کو عالمگیری حکام نے پکڑا۔ اور باقاعدہ بازپُرس ہوئی شہزادی نے ہرچند اپنی بیگناہی ثابت کی۔ جیسا کہ وہ تھی۔ لیکن بمقتضائے وقت وہ سیاست سے نہ بچ سکی۔

اسکی ۴ لاکھ سالانہ تنخواہ بند کیگئی۔ مال و متاع سرکاری قبض الداخل میں لے لیا گیا۔ شہزادی کو قلعہ سلیم گڑھ میں رہنے کا حکم ہوا۔ گویا ایک حدتک نظر بند کر دیا گیا۔ اسکی نظر بندی کے حالات کا اُسکے بعض اشعار سے پتہ چلتا ہے۔ مگر آئندہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جلدی بیگناہ ثابت ہو گئی۔ اور اسکا قصور معاف کر کے اسکی جاگیر و تنخواہ بحال کر دیگئی۔ کیونکہ سنہ ۱۰۹۱ھ میں نظر بند کیگئی۔ اور سنہ ۱۰۹۲ھ میں جب حمیدہ بانو بیگم والدہ روح اللہ خان نے وفات پائی۔ تو اورنگ زیب نے رسم تعزیت ادا کرنے کیلئے شہزادی زیب النساء کو روح الزمان کی حویلی میں بھیجا تھا نیز شہزادی کی آزادی کا اس واقعہ سے بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ اورنگ زیب کے سب سے چھوٹے بیٹے شہزادہ کام بخش کی شادی سنہ ۱۰۹۳ھ میں ہوئی۔ اور تمام رسوم شہزادی زیب النساء کے محل میں ادا ہوئیں۔ اور جملہ ارکان دولت بہ حکم شہنشاہ شہزادی کی ڈیوڑھی تک پاپیادہ گئے۔ پس اگر وہ سنہ ۱۰۹۳ھ میں آزاد نہ ہوتی۔ تو یہ دونوں باتیں پھر کیونکر واقع ہو سکتی تھیں۔ شہزادی کے اشعار ذیل سے اُسکے نظر بند ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ ؎

درد اکز قید ستم آزاد نہ گشتم	یک لحظہ غم ہائے جہاں شاد نہ گشتم
گرچہ پا زنجیر مخفی زد بہ دیوار غم	شکر اللہ کز جفائے ہمگناں آلودہ ام
دل من اسیر مخفی بہ بلائے ہجر تا کے	کہ بجز ہوائے وصلت گنہ دگر نہ دارم
مخفی امید رہائی تا بروز حشر نیست	خاک غربت ہر کہ را در مہد دامنگیر شد
تا مرا زنجیر دریا دل دیوانہ شد	دوست خود دشمن مرا و آشنا بیگانہ شد

شہزادی کی وفات

سنہ ۱۱۱۳ھ میں جبکہ شہنشاہ اورنگ زیب دکن کی فتوحات میں مصروف تھا۔ مقام دہلی شہزادی زیب النساء کا انتقال ہوا۔ "داخل جنت" مادہ تاریخ ہے۔ عالمگیر کو اپنی فاضل بیٹی سے بڑا اُنس تھا جب یہ وحشت اثر خبر اسکے گوشگذار کیگئی۔ تو بہت غمگین ہوا۔ اور اپنی طبیعت پر قادر ہونے اور اعلیٰ درجے کے صابر مزاج ہونے کے باوجود ضبط نہ کر سکا۔ اور بے اختیار آنسو نکل آئے۔

سید امجد خان شیخ عطاء اللہ حافظ خان کے نام احکام جاری کئے۔ کہ شہزادی مرحومہ کے ایصال ثواب کیلئے زکوٰۃ و خیرات دیں۔ اور مرحومہ کا مقبرہ تیار کرائیں۔ شہزادی کا تابوت

لاہور لایا گیا۔ یہیں اسکا مقبرہ موجود ہے۔ جسکے حالات ہم کسیقدر تفصیل سے ابھی لکھتے ہیں۔ تاریخ خافی خاں نسخہ مطبوعہ کلکتہ میں زیب النساء کا نام اور اسکے حالات اس درجہ تک بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ صریحًا غلطی ہے۔ کیونکہ کاتبوں نے زینت النساء کی بجائے زیب النساء لکھ دیا ہے۔ جو اسکی بہن تھی۔ کیونکہ شہزادی زیب النساء کا انتقال ۱۱۱۳ھ میں ہوگیا تھا۔ اور اسمیں شک کی گنجائش نہیں۔

اردو حیات زیب النساء کے مؤلف شہزادی کی وفات کا سن سنہ ۱۱۱۰ھ لکھا ہے۔ اور اسکے ساتھ ذیل کا قطعہ بھی لکھا ہے۔

آہ زیب النساء بحکم قضا	ناگہاں از نگاہ مخفی شد
منبع علم و فضل و حسن و جمال	ہمچو یوسف بچاہ مخفی شد
سال تاریخ از خرد جستم	گفت ہاتف کہ ماہ مخفی شد

اور یہ بھی لکھا ہے کہ اسوقت عالمگیر پٹھان پور میں تھا۔ مگر یہ سب باتیں خلاف واقعہ ہیں۔ اور تحقیق وہی ہے۔ جو ہمنے اوپر لکھا۔

شہزادی کی نعش حسب وصیت لاہور میں نئے کوٹ کے قریب (جواب نواں کوٹ کہلاتا ہے) اس باغ میں دفن ہوئی۔ جو چوبرجی والے باغ کے قریب ہے۔ یہ باغ شہزادی نے اپنی حین حیات میں خود ہی بنوایا تھا۔ اسکی چار دیواری پختہ بنوائی گئی تھی۔ اسمیں چار دروازے تھے۔ جن میں سے اب صرف دو موجود ہیں۔ ایک شرقی اور دوسرا شمالی شرقی صدر دروازہ ہے۔ اسکے چاروں گوشوں پر چار برجیاں بنی ہوئی تھیں۔ یہ دروازہ اسقدر عظیم الشان اور بلند بنوایا گیا تھا۔ کہ اس میں سے ہاتھی معہ عماری کے بے تکلیف گذر سکتا تھا۔ مگر وہ اسوقت بند ہے۔ یہ عمارت اور باغ کسی زمانہ میں جسقدر دلفریب اور دلکش تھے۔ اسوقت اُسیقدر ہولناک ہیں۔ ایک بیکسی ہے کہ ان پر چھا رہی ہے۔ ایک نحوست ہے کہ سر پر منڈلا رہی ہے۔ اسکے دیکھنے سے عبرت ہوتی ہے۔ وہ محلات اور باغ جس پر کبھی پرندے پر مارتے ہوئے ڈرتے تھے۔ اب وہ آشیانہ زاغ و زغن اور خانہ بوم بشوم ہیں۔ اس دروازہ کو ایک معمولی زمیندار نے اپنے قبضہ میں کرکے چند جلاہوں کو اسمیں آباد کر دیا ہے۔ گو عمارت کا بہت حصہ مسمار ہو چکا ہے۔ تاہم دو برج اسوقت تک موجود ہیں۔ شمالی دروازہ اب گاؤں والوں کی آمد و رفت کیلئے وقف ہے۔ اسکے علاوہ ایک چھوٹا سا

دروازہ جنوب کی طرف بھی بنا ہوا موجود ہے۔

یہ باغ نہایت وسیع تھا۔ لیکن اب تو اسکے حدود بھی مشکل سے معلوم ہوتے ہیں۔ باغ کے تقریباً نصف حصہ میں اسوقت ایک موضع آباد ہے۔ جسکو نواں کوٹ نئی آبادی یا نیا قلعہ کہتے ہیں۔

مقبرہ زیب النساء شہزادی کا مقبرہ موضع نواں کوٹ کے غربی دیوار سے ملحق ہے چونکہ تاریخوں میں لکھا ہوا ہے۔ کہ شہزادی کا تعویذ وسط باغ میں بنایا گیا تھا۔ اسلئے اس سے پایا جاتا ہے۔ کہ گویا موضع نواں کوٹ کی آبادی بھی اسی باغ کے اندر ہے۔ اور اس سے باغ کی وسعت کا کسی قدر خیال ذہن میں آسکتا ہے۔ سلطنت مغلیہ کے آخر زمانہ تک یہ باغ نہایت آراستہ وپیراستہ تھا۔ اور گو شالامار کے مقابلہ کا نہ ہو۔ تاہم اس سے دوسرے درجہ پر ضرور تھا۔ مگر آہ آج اسکی کیا حالت ہے کچھ نہ پوچھو۔ کلیجہ مُنہ کو آتا ہے۔ تواریخ میں مذکور ہے۔ کہ اس باغ میں دو روشیں اور سڑکیں سنگ سُرخ سے تعمیر کیگئی تھیں۔ اسکے حوض اور شہ نشین سنگ مرمر کے بنائے گئے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس مقبرہ بھی بحیثیت مجموعی ایک بانکی عمارت تھی۔ تمام وکمال شفاف سنگ مرمر کی تعمیر قبہ کی چوٹی پر طلائی نظر فریب کلس چڑھا ہوا تھا۔

اس باغ کی بربادی اور تباہی کی داستان مؤلف حیات زیب النساء نے یوں لکھی ہے۔ کہ جب سلطنت اسلامیہ کا خاتمہ ہوچکا۔ اور پنجاب سکھوں کے قبضۂ اقتدار میں آیا۔ تو خاص شہر لاہور میں تین حاکم مقرر ہوئے۔ ان میں سے ایک کا نام سردار سوبھا سنگھ تھا۔ پس باغ مذکور مع مقبرہ وشمالی عمارت کے اسکے قبضہ میں آیا۔ اسنے اپنے ایک غلام خاص محکم دین نامی کے سپرد کردیا۔ محکم دین نے خود وہیں سکونت اختیار کی۔ اور موضع نواں کوٹ وہاں آباد کیا۔ اسنے باغ کی غربی دیوار کے گرداگرد مکانات تعمیر کرائے۔ یہاں تک تو خیریت تھی مگر غضب یہ کیا۔ کہ سنگ مرمر کے دلفریب فوارے اُکھڑوا ڈالے۔ سڑکوں اور روشوں کے ٹکڑے اُڑا دیئے۔ حوضوں کو بند کرادیا۔ اور وہ تمام قیمتی جواہرات جو وہاں سے اُکھاڑے گئے تھے۔ فروخت کردیئے۔ مگر پھر بھی اتنی عنایت کی کہ مقبرہ رہنے دیا۔

ایک اور روایت ہے کہ رنجیت سنگھ کے زمانہ میں جب محکم دین مذکور بعض وجوہات سے معتوب ہوا۔ تو اسکی تمام جائداد ضبط کرلیگئی۔ اور اس باغ میں سے تمام قیمتی جواہرات

اور پتھر اُکھاڑ لئے گئے۔ اور وہ اس بارہ دری میں لگائے گئے۔ جو شاہی مسجد اور قلعہ کے درمیان اب تک موجود ہے۔ مقبرہ اسوقت نہایت ناگفتہ بہ حالت میں ہے۔ اسکے چاروں دروازہ پھونس کی ٹٹیوں سے بند ہیں۔ اسکے اندر مرغیاں پلی ہوئی ہیں۔ اور انکا محافظ ایک کتا ہے۔ یہی گاہے گاہے زائرین کا استقبال اور مزاج پرسی کرلیتا ہے۔ اللہ اللہ وہ عظیم الشان شہزادی جو خاندان مغلیہ کی ناک تھی۔ آج ایسی غیر آباد جگہ آسودہ ہے۔ وہ فرشتہ جو دلوں پر حکومت کرتا تھا۔ آج حیوانات سے محصور ہے۔ نہیں معلوم کہ یہ کس سنگدل شخص کا فعل ہے۔ کہ اس پاک مقبرہ کو مرغیوں اور کتوں کی آلائش سے ناپاک کیا گیا ہے۔ عبرت کے کان اس مقام سے ہر وقت یہ آواز سنتے رہتے ہیں۔ ؎

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار ما	کہ عیب پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است
بر مزار ما غریباں نے چراغ نے گلے	نے پر پروانہ سوزد نے صدائے بلبلے

ضرورت ہے۔ اور اشد ضرورت ہے۔ کہ عموماً پبلک اور خصوصاً شعرا اس طرف متوجہ ہوں۔ پبلک چندہ اور گورنمنٹ کی امداد دے جس طرح بھی بن پڑے مقبرہ کو قبضۂ اغیار سے نکالیں اور اسکی مرمت کرائیں۔ تاکہ ذی الاحترام اور عالیشان شاہزادی کا ڈھیر کچھ عرصہ تو اس دُنیا پر اور قائم رہے۔

اخبارات میں قدیم عمارات کی مرمت کا سوال حال ہی میں اُٹھا تھا لیس نہایت مناسب ہو۔ اگر اسکے ساتھ ہی اس معاملہ پر بھی توجہ کی جائے تاہم سب مدنام نیکو رفتگاں" ضائع کرنیوالے نہ شمار ہوں۔ اور کچھ عرصہ اس ذی وقار شہزادی کا نشان اور باقی رہ کر باعث عبرت اہل زمانہ رہے۔

شہزادی کا سراپا اور لباس وغیرہ

ڈاکٹر برنیر ایک یوروپین سیاح ہیں۔ جو شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد میں سیاحت کرتے ہوئے یوروپ سے ہندوستان آئے تھے۔ انہوں نے ہندوستان کے متعلق اپنی بہت کچھ معلومات چھوڑدی ہیں۔ لیکن انکی رائے ہر ایک معاملہ کے متعلق اسی قسم کی ہے۔ جو عام انگریزوں کی ہوا کرتی ہے۔ دوسرے ملکوں کی ہر ایک بات کو تعصب کی عینک لگا کر دیکھا۔ زیب النساء کے متعلق بھی انہوں نے بہت کچھ بیان کیا ہے جس پر ہم کسی اور

موقعہ پر مفصل بحث کرینگے۔ اور انکی نیک نیتی اور واقعات تراشی پر تنقیدی نظر ڈالینگے
فی الحال ہم انکا وہ بیان قلمبند کرتے ہیں۔ جو عنوان شتنیہ بالا سے تعلق رکھتا ہے۔ ڈاکٹر
اپنے سفرنامہ میں تحریر کرتے ہیں۔ کہ "شہزادی زیب النساء کا قد لمبا۔ پاؤں نہ زیادہ چھوٹے
نہ بہت بڑے۔ بلکہ متوسط درجے کے تھے جسم نازک دسڈول۔ چہرہ آفتابی۔ چہرہ کا رنگ
نہایت صاف شفاف ایک عجیب قسم کی تازگی اور شگفتگی لئے ہوئے۔ آنکھیں سیاہ اور
موٹی موٹی۔ سر کے بال معمول سے زیادہ لمبے۔ دانت چھوٹے اور ہموار۔ بالکل سلک مروارید
ہونٹ نازک اور پتلے" وہ یہ بھی لکھتے ہیں۔ کہ شاہزادی کے رخساروں پر ناک کی سمت
کو دائیں بائیں دو سیاہ خال تھے۔ جو اسکے گول چہرہ پر بہت ہی بھلے معلوم ہوتے تھے۔

شہزادی کی طبیعت اوائل عمر سے ہی نہایت سادگی پسند واقع ہوئی تھی چنانچہ
وہ لباس عموماً سادہ اور سفید پہنتی تھی۔ غالباً تمام عمر ریشمی اور رنگین لباس زیب تن
نہیں کیا۔ میا بائی کا بیان ہے کہ وہ اسقدر سادگی پسند تھی۔ کہ اسنے تمام عمر سرمہ اور مسی
استعمال نہیں کیا۔ یہ بات معمولی نہیں۔ کیونکہ آجکل معمولی عورت بھی ان اشیاء کے استعمال
کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ گو وہ خود اس حد تک سادگی پر مٹی ہوئی تھی۔ تاہم وہ اپنی خواصوں
اور دیگر متعلقین عورات کو اپنی پیروی پر مجبور نہ کرتی تھی۔ بلکہ اسکے برخلاف انکو رنگین
اور ریشمی لباس پہننے کی تاکید کرتی تھی۔ اور اس اصول کی بالکل پابند نہ تھی۔ کہ "ہر چہ برخود
پسندی بر دیگراں بہ پسند" بلکہ اسکا قاعدہ حالتوں میں یہ تھا کہ "ہر چہ برخود پسندی بر
دیگراں بہ پسند"۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ شہزادی زیب النساء کے زمانہ تک ابھی بیگمات کا کوئی خاص
لباس مخصوص نہیں ہوا تھا۔ بعض بیگمات ایرانی وضع کو پسند کرتی تھیں۔ اور بعض ہندوستانی
لباس کو۔ غرضیکہ مختلف اوضاع اطوار کا لباس پہنا جاتا تھا۔ اور مختلف پیرایوں سے پہنتے
شہزادی زیب النساء کو اکثر ایرانی لباس ہی میں دیکھا گیا۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ شہزادی
نے چند بار ہندی لباس بھی پہنا جس پر ایک بار شہنشاہ اورنگ نے ٹوکا۔ اس کے بعد
پھر شہزادی نے یہ لباس زیب بدن نہیں کیا۔

شہزادی اگرچہ سادگی پسند تھی۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اور وہ زیورات کی بھی
دلدادہ نہ تھی تاہم ایک مالا سے مروارید زیب گلو کئے رہتی تھی۔ اسکے درمیان میں

زر بفت میں مرصع تعویذ بھی آویزاں رہتے تھے۔

کانوں میں صرف کرن پھول جڑاؤ پہنتی تھی۔ جو جواہرات سے مرصع تھے۔ اسکے سوا بالیاں وغیرہ کچھ نہ پہنتی تھی۔

مذہب و عقائد

اورنگ زیب کے عہد سے قبل معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ معلے میں لوگوں کی طبیعتیں شیعیت کی طرف زیادہ مائل تھیں۔ اور سچ پوچھو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی یہ مذہب مغل ایران سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ پھر اُسے کیونکر خیرباد کہہ سکتے تھے لیکن عالمگیری زمانہ میں کچھ انقلاب ہوا۔ خود عالمگیر کٹا سُنّی تھا۔ اور اسلئے شیعیت کا مخالف تاہم محلات سے اسوقت بھی شیعیت کا اثر بالکل نہ مٹ سکا۔ چنانچہ دونوں عقائد کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ مگر ہم یہ نہایت رسوخ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ کہ خود شہزادی زیب النساء سنی المذہب تھی۔ وہ اصحاب کبار اور بندگان دین کا نام نہایت ادب اور محبت سے لیتی تھی۔ شاید اُسنے شاہ میاں میر صاحب سے جو سنی المذہب تھے بیعت بھی کی تھی۔ یہ وہی شاہ میاں میر ہیں۔ جنکا مزار لاہور چھاؤنی میں واقع ہے۔ اس سے قبل اس موضع کا نام بھی میاں میر ہی تھا۔ مگر خدا جانے حکام انگریزی کو یہ نام ناپسند ہوا۔ کہ اسٹیشن پر اسکی بجائے چھاؤنی لاہور تحریر کرا دیا۔ تاہم عوام ابھی تک اس مقام کو میاں میر کے نام سے ہی یاد کرتے ہیں۔ لکھا ہے کہ شہزادی شروع شروع میں تعزیہ داری مجلس عزا میں بھی شریک ہوا کرتی تھی۔ مگر بعد میں اور بیگمات کیطرح اسکے خیالات میں بھی انقلاب ہوا۔

ہم جیسا اوپر لکھ آئے ہیں۔ عالمگیری عہد میں وہ سُنّی مذہب تھا۔ خود عالمگیر سُنّی اور اُسکا بیٹا محمد معظم شیعہ تھا۔ اور اسی اجتماع الضدین کی وجہ سے کبھی کبھی محلات میں مرغبازی کا سا ڈھنگ نظر آجایا کرتا تھا۔ شہزادی زیب النساء نے اُنہی دنوں میں اس معاملہ کے تصفیہ کا بیڑا اُٹھایا۔ ایک روز تمام بیگمات کو بلا کر ایک زبردست تقریر کی جس کا نہایت عمدہ اثر ہوا۔ شیعیت کا رنگ ہلکا پڑ گیا۔ کئی بیگموں نے فوراً اپنے عقائد تبدیل کر لئے۔ عالمگیر اس کارگذاری سے بہت خوش ہوا۔ سو روپیہ ماہوار اسکی تنخواہ میں اور اضافہ کیا۔ اور اسکی تقریر لکھا کر ایران وغیرہ ممالک میں بھیجی۔ بایں ہمہ شہزادی

نہایت وسیع خیال رکھتی تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایسی طبیعتیں شیعیت اور سنیت کے تنگ دائرہ میں پسند ہونے کی عادی نہیں ہوسکتیں۔

عام اخلاق و عادات و نفاست پسندی

ہم کسی دوسرے مقام پر لکھ آئے ہیں۔ کہ شہزادی نہایت سادگی پسند تھی۔ اسنے سوائے سفید لباس کے کبھی رنگین پوشاک زیب بدن نہیں کی۔ بات یہ ہے کہ وہ درویشانہ اور منصفانہ طبیعت لیکر آئی تھی۔ باایں ہمہ وہ بالکل خشک مزاج نہ تھی۔ اسکی رنگی طبیعت کا خود اسکا اپنا دیوان شاہد ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا۔ آخر تھی تو شاہجہاں کی پوتی۔ اور نورجہاں کے خاندان سے۔ اسلئے اسکی طبیعت نہایت نفاست پسند واقع ہوئی تھی چنانچہ اسکا دربار نہایت پرتکلف تھا۔ اور اسمیں وہ تمام باتیں موجود تھیں جو ایک عظیم الشان شہزادی کے شایان شان ہوسکتی ہیں۔

مطبخ شاہزادی زیب النساء کا مطبخ نہایت پرتکلف تھا۔ اور دنیا کے پردہ پر ایسی کوئی نعمت نہ تھی۔ جو اسمیں نہ مہیا کی گئی ہو۔ سردار عنایت اللہ خان جو عالمگیری دربار کا ایک معزز رکن تھا۔ شہزادی کے مطبخ کا میر خانساماں یا داروغہ بھی تھا۔

چشمہ اوّل جن لوگوں نے کشمیر کی سیر کی ہے۔ انہوں نے بچشم خود ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ وہاں قدم قدم پر پانی کے جھرنے اور آبشار ملتے ہیں۔ اور قدرتی نظاروں کا لطف ہے۔ اسلئے سلطنت مغلیہ کے ہر ایک بادشاہ کو کشمیر سے دلچسپی رہی ہے۔ یہ بادشاہ گرمی کا موسم یہاں ہی آکر بسر کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ آجکل حکام شملہ میں چلے جاتے ہیں۔ شہزادی زیب النساء بھی اکثر کشمیر میں آیا کرتی تھی۔ اور قدرتی نظاروں کا لطف اٹھاتی تھی۔ ایک احوال نامی چشمہ خاص اسکی جاگیر میں تھا۔ اور جسکے ارد گرد شہزادی نے ایک نہایت پرتکلف باغ اور عمارات تیار کرائی تھیں۔ عالمگیر نامہ میں لکھا ہے۔ کہ جب شہنشاہ عالمگیر ۱۰۷۴ھ میں کشمیر گیا۔ تو اس مقام پر ایک روز قیام کیا۔ تو نہایت مسرت ظاہر کی زیب النساء نے باقاعدہ نذر پیش کی۔ اور زر سرخ و سپید نثار کیا۔

ابرک کا خیمہ شہزادی کی طبیعت موجد اور جدت پسند تھی۔ اسوجہ سے وہ ہر وقت کسی نئی بات کی تجسس میں رہتی تھی۔ چنانچہ اس نے ۱۰۷۴ھ میں اپنی تجویز سے ایک

ابرک کا خیمہ تیار کرایا۔ جو نہایت وسیع اور اپنی دلکشی میں بےنظیر تھا۔ صاف اور شفاف بالکل شیشہ کا معلوم ہوتا تھا۔ لوگ اس صناعی کو دیکھکر انگشت بدندان تھے۔ اس خیمہ کی تعریف میں نعمت خان عالی نے مثنوی لکھی ہے۔ جسکے چند اشعار بہ نظر اختصار درج ذیل ہیں ۔

ازاں خرگاہ طلقش چشم بد دور	کہ شد از جلوہ اش ارض سما نور
تعالی اللہ چہ روشن بارگاہ ہے	کدورت را درین جا نیست راہ ہے
شد نورش گشتہ خیرہ چشم کوکب	کمینہ خانہ زادش ماہ نخشب
فروغش گر چنیں دارد جہانتاب	کسے شب را نہ خواہد دید در خواب
چو عاجز گشت نطقم از ثنائش	شدم جویائے تاریخ بنائش
پئے تاریخ آں گفتہ زمانہ	بروز رنگ دلم آئینہ خانہ

۱۱۵۰

شہزادی طبیعت خلقی طور پر نہایت ملنسار۔ متین۔ رحیم اور خلیق واقع ہوئی تھی حتیٰ کہ وہ غصہ کی حالت میں بھی اپنے چہرہ سے بجز اطمینانی کے آثار ظاہر نہ ہونے دیتی تھی۔ اپنی خواصوں سے بہنوں کی طرح سلوک کرتی تھی۔

ایک مورخ کا بیان ہے کہ شہزادی کو تمام عمر کسی نے چیں بہ جبین نہ دیکھا۔ اسکا چہرہ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ گویا ہنس رہی ہے۔

شہزادی فارسی زبان دانی میں کامل تھی۔ اور نستعلیق۔ نسخ۔ شکستہ خطوط لکھنے میں کمال رکھتی تھی۔

شہزادی کا روزانہ معمول تھا۔ کہ علی الصباح اٹھکر حوائج ضروریہ سے فارغ ہوتی اور اسکے بعد نماز فجر ادا کرتی تھی۔ بعد ازاں تلاوت قرآن شریف۔ اسکے بعد مطالعہ کتب کا سلسلہ رہتا تھا۔ شاعری کا بھی یہی وقت ہوتا تھا۔

دیوان حافظ زیادہ تر شہزادی کے مطالعہ میں رہتا تھا۔ روایت ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب نے دیوان حافظ کے مطالعہ کی عوام اہل اسلام کو ممانعت کردی تھی۔ کیونکہ بے علم لوگوں کی طبائع پر اسکا اثر اچھا نہ پڑتا تھا۔ مگر شہزادی کو اجازت تھی۔ کیونکہ عالمگیر جانتا تھا کہ اسکی فاضل بیٹی کسقدر صاحب مذاق اور سلیم الطبع ہے۔

شہزادی ہر دلعزیز تھی

شہزادی اوّل سے لیکر آخر تک قلعہ میں ہر دلعزیز رہی۔ شہنشاہ عالمگیر کو نہ اس

سے صرف معمولی محبت تھی۔ بلکہ وہ اپنی فاضلہ بیٹی کی بڑی عزت اور قدر کرتا تھا کبھی کوئی بات اسکے خلافِ مزاج نہیں کی جب شہزادی کہیں باہر سے آتی تھی۔ تو شہنشاہ عالمگیر شہزادوں کو اسکے استقبال کیلئے بھیجتا تھا۔ سفر حضر میں شہزادی ساتھ ہوتی تھی۔ لاہور میں شہنشاہ کے ساتھ آنا تو معمولی بات تھی۔ لیکن جب شہنشاہ عالمگیر فتوحات دکن پر گیا تو شہزادی زیب النساء نے اپنے علمی مشاغل کی رخنہ اندازی نہ ہونے کی وجہ سے دہلی ہی میں رہنا پسند کیا۔ اور شہنشاہ کی عدم موجودگی میں ہی اسکا دہلی انتقال ہوا۔ جیسا کہ حالات وفات سے معلوم ہوگا۔

انگریزی اہل قلم اور شہزادی زیب النساءؒ

مغربی اہل قلم کا عام قاعدہ ہے کہ جب وہ اہل مشرق کا ذکر کرتے ہیں۔ تو تعصب کی عینک لگا لیتے ہیں۔ اور اسی تاریکی میں واقعات کو دیکھتے ہیں۔ بعض تو واقعہ کی صورت ہی بدل کر عجیب وغریب پہلو نکال لیتے۔ اور غلط بیانی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں سے اکثر ایسے بھی ہیں۔ جو بوجہ اپنی محدود معلومات کے اور مشرق و مغرب کے اخلاق وعادات میں ابجد المشرقین ہونے کی وجہ سے ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے شہزادی زیب النساء کو بھی ایسے ہی صاحبوں سے پالا پڑا ہے۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر برنیر ہے۔ یہ شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانہ حکومت میں بحیثیت سیاح ہندوستان میں آئے تھے۔ جنہوں نے دارالسلطنت دہلی میں قیام کیا تھا۔ شہزادی زیب النساء تک رسائی ہوئی۔ معلوم۔ خارجی۔ وغیر متعلق لوگوں کے ذریعہ انہوں نے شہزادی کے متعلق معلومات بہم پہنچائی ہونگی۔ اور یہ ظاہر ہے۔ اس قسم کے خارجی لوگ جنمیں زیادہ حصہ لونڈی غلاموں کا سمجھنا چاہیئے۔ مختلف تعلقات رکھتے ہیں۔ کوئی دوست اور خیرخواہ ہوتا ہے۔ تو کوئی مخالف دیرخواہ۔ مگر ایسی بازاری معلومات پر نازاں ہوکر ڈاکٹر صاحب بڑی ڈھٹائی سے شہزادی کے حالات بیان کرتے ہیں۔ اور اسکے کیرکٹر پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اور شاید وہ اپنے زعم باطل میں عاقل خان رازی کے فسانہ کو واقعات سمجھتے ہوں۔ مگر یہ انکی اپنی لاعلمی یا ناواقفیت ہے۔ شہزادی کے تمام حالات پر غور سے نظر ڈالنا چاہیئے۔ الف سے لیکر یائے تحتانی تک سوائے عاقل خان کے غلط فسانے کے ایسی

کوئی اور بات آپ کو نظر نہ آئیگی۔ جو شہزادی کے کیرکٹر پر نکتہ چینی و حرف گیری کا سہارا ہو۔ لیکن جبکہ وہ فقرہ ہی سرے سے غلط ہے۔ اور محض فرضی فسانہ ہے۔ جیسا کہ ہمنے دوسرے مقام پر ثابت کیا ہے۔ تو پھر ایسی حالت میں اس سے شہزادی کے کیرکٹر پر کیا حرف آ سکتا ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو کچھ تو تعصب نے اور کچھ جلد بازی نے اصلیت سے دور ڈالدیا ہے گویا وہ ایک محدود معلومات مورخ کی مانند محض سنی سنائی بے سند باتوں کو واقعات تصور کرکے ہوا پر قلعہ بنایا چاہتے ہیں۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں۔ اور ہاں خوب جانتے ہیں۔ کہ ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان کسقدر وسیع ہے۔ اور انکی تحریر کو اصلیت سے کتنی دور کا تعلق ہے۔

اسی طرح مولانا شبلی نعمانی "الندوہ" کے ایک آرٹیکل میں شکوہ سنج ہیں۔ کہ بمبئی کے سفر میں ایک عزیز دوست نے جو انگریزی تصنیفات پر زیادہ اعتماد رکھتے ہیں۔ میگزین اینڈ ریویو کا ایک آرٹیکل دکھلایا۔ جو زیب النساء کی سوانحعمری کے متعلق تھا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ "مجھکو افسوس ہوا۔ کہ ایک ایسے معزز پرچہ کا سرمایہ معلومات تمامتر بازاری قصے تھے جس میں ایک قصہ عاقل خان رازی کا بھی ہے۔ الخ"

یہ تو ہے یوروپین مورخین کا سرمایہ معلومات۔ اور اس پر یہ دعوے کہ ہماری برابر کوئی دوسرا مورخ تو ہو۔ لیکن اگر اسی کا نام تحقیقات ہے۔ یا یہ تحقیقات وہیں تک محدود ہے۔ جہاں تک انکو مغرب سے تعلق ہے۔ تو ہم اس سے باز آئے۔

غرضیکہ جو کچھ انگریزی مورخین نے شہزادی زیب النساء کے متعلق تحریر کیا ہے۔ وجوہات مذکورہ بالا کو ملحوظ رکھنے سے اسکی اہمیت معلوم ہو جاتی ہے۔ اور کھل جاتا ہے۔ کہ بس یہ ہوائی قلعے مشرق کے کیرکٹر کو تباہ کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ لیکن زمانہ جانتا ہے۔ اور عینی شہادت موجود ہے کہ اس گئے گذرے زمانہ میں بھی مذہب کیرکٹر اور اخلاق کا سبق اب مشرق مغرب کو پڑھانے کیلئے تیار ہے۔ بلکہ پڑھا رہا ہے۔

یار لوگوں کے تراشے ہوئے غلط افسانے زیب النساء کے متعلق

ہم ذیل میں ان غلط افسانوں کو قلمبند کرتے ہیں۔ جو شہزادی زیب النساء سے بحیثیت واقعات کے منسوب کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض نہایت مہتم بالشان ہیں۔ جنکو صحیح ماننے سے اس عظیم الشان شہزادی کے کیرکٹر پر نہایت بدنما دھبا آتا ہے۔ آگے چلکر ہم ان پر تنقیدی

نظر ڈالیں گے۔ اور اصول روایت و درایت سے بتائینگے۔ کیا وہ فسانے واقعات ہو سکتے ہیں۔

(١) کہتے ہیں۔ کہ ایک بار اس کی زبان بیساختہ یہ مصرعہ نکل گیا۔ ع

از ہم نمے شود زحلاوت جدا لبم

مگر دوسرے مصرعہ تک اسکی طبع رسا کی رسائی نہ ہوئی۔ لہذا اُسے اپنے ہمعصر شعرا کے پاس تظمین کیلئے بھیجدیا۔ بیان ہے کہ کئی شعرا نے اسکو تظمین کردیا۔ اور شہزادی نے انکو انعام و اکرام دے کر نہال کردیا۔ مگر میر ناصر علی نے جو مصرعہ تظمین لگایا۔ وہ نہایت عجیب تھا۔ اُسنے لکھا۔ ع

از ہم نمے شود زحلاوت جدا لبم
شاید رسید بر لب زیب النساء لبم

کہنے والے کہتے ہیں۔ کہ شہزادی نے اس گستاخی پر ناصر علی کو صرف یہ شعر لکھکر بھیجدیا اور بس ؎

ناصر علی بنام بُردہ پناہ
ورنہ بہ ذوالفقار علی سر بُریدہ است

ناظرین! فی الحال آپ ہی اس روایت پر غور کریں! ۔کیا واقعی یہ واقعہ ہے ہم اسکے متعلق بعد میں اپنی رائے ظاہر کرینگے۔

(٢) ذیل کا لطیفہ بھی زیب النساء سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اور اسکے متعلق دو متضاد باتیں بیان کی جاتی ہیں۔ دونوں سننے کے قابل ہیں۔

پہلی روایت یہ ہے کہ جب شہزادی زیب النساء خیر سے جوان ہوئیں۔ اور ان کے حسن و جمال ظاہری و باطنی کا شہرہ شاہی محلوں سے نکل کر دوسرے ملکوں اور شہروں میں پہنچا تو ایران کے ایک شہزادے کے بمصداق ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد — بسا کیں دولت از گفتار خیزد
درآید جلوہ حسن از در گوش — ز جان بے زبا ید ز دل ہوش

ان کے جمال جہاں آرا نے گھر کر لیا۔ اور وہ ہزاروں کوسوں پر ہی بیٹھا شہزادی کا کلمہ پڑھنے لگا اور دل پکڑ کر رہ گیا مشہور ہے کہ عشق و مشک چھپائے نہیں چھپتا۔ جب اسکے اعزا کو اس کی حالت سے اطلاع ہوئی۔ تو انہوں نے شہنشاہ اورنگ زیب کی خدمت میں درخواست بھیجی۔ کہ ہزادے کو غلامی میں قبول کیا جائے۔ جب شہزادی سے اسکا تذکرہ کیا گیا۔ اوّل تو وہ خاموش ہی۔ لیکن جب اسکے پیارے باپ نے بضد ہو کر اس سے جواب لینا چاہا۔ تو دبی زبان سے عرض کیا

اگر حضور میری مرضی ہی پر اس معاملہ کو طے کرنا چاہتے ہیں۔ تو میرے نزدیک زیادہ مناسب یہ ہوگا۔ کہ اوّل شہزادہ بحیثیت شاہی مہمان دہلی بلا لیا جائے۔ اور در پردہ اسکے عقل وعلم کا امتحان کیا جائے۔ پس اگر وہ اس کسوٹی پر کھرا نکلے۔ تو پھر کیا مضایقہ ہوسکتا ہے۔ اس رائے کو شہنشاہ نے بھی پسند کیا۔ اور شہزادہ کو یہی جواب لکھدیا گیا۔ اس جواب سے تو اسکی باچھیں کھل گئیں۔ کیونکہ اُسے اپنی لیاقت نیز اپنی شکل وصورت پر پورا بھروسا تھا۔ اور وہ ان باتوں کو شہزادی کے دل کو تسخیر کرنے کیلئے کافی سمجھتا تھا۔ الغرض وہ سامان سفر درست کرنے کے بعد ایران سے عازم ہندوستان ہوا۔ ہندوستان کی سرحد میں قدم رکھتے ہی ہر ہر منزل پر شاہی مہمان کی حیثیت سے اسکا استقبال نہایت تزک واحتشام کے ساتھ ہونے لگا۔ غرضیکہ وہ اسی شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ لاہور سے گذر کر دار السلطنت دہلی میں آپہنچا۔ شاہی خاندان کے ممبروں نے ایک معقول فوج کیساتھ اسکا استقبال کیا۔ اور اس معزز مہمان کو قلعہ میں لے آئے۔ ضیافتوں اور دعوتوں اور اُن تکلفات کی تفصیل جو اس شہزادے کے آنے کے متعلق ہے۔ نہایت طول طویل ہے۔ اس لئے ہم اسے نظر انداز کرتے ہیں۔ بس یہی سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ایک عظیم الشان بادشاہ جو ہندوستان کی دولت کا مالک ہو۔ اور ہر ایک دُنیاوی نعمت پر قادر۔ وہ اپنے معزز اور شاہی مہمان کے لئے کیا کچھ تکلفات مہیّا کرسکتا ہے۔

کہنے والے کہتے ہیں۔ کہ اثنائے ایّام مہمانی میں ایک روز جبکہ دسترخوان چُنا ہوا تھا۔ ایرانی مہمان اس پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور انواع واقسام کے کھانے چُنے ہوئے تھے۔ اور شہزادی بہ نفس نفیس باورچی خانہ کا انتظام کر رہی تھی۔ ایرانی شہزادہ کو مذاق کی سوجھی۔ اور ایک پرچہ کاغذ پر "سنبوسہ بے سن میخواہم" لکھکر شہزادی کے پاس بھیجدیا۔ شہزادی نے فوراً اس کے جواب میں "از مطبخ مادر طلب" ذو معنی فقرہ لکھکر واپس کردیا جسکا اثر سوائے شرمساری کے شہزادہ پر اور کیا ہوسکتا تھا۔

لطیفہ در لطیفہ کہتے ہیں کہ اسی شہزادے نے شعر ذیل لکھکر شہزادی کے پاس روانہ کیا تھا۔

ترا اے مہ جبیں بے پردہ دیدن آرزو دارم
جمالت ہائے حسنت را رسیدن آرزو دارم

جسکا جواب شہزادی زیب النساء نے لکھکر یہ بھیجا تھا ؎

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا ۔۔۔ بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا

در سخن پنہاں شدم چوں بوئے گل در برگ گل ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

مذکورہ بالا واقعہ کے متعلق دوسری روایت یہ ہے۔ کہ فقرہ منسوبہ بے سن میخواہم۔ ایرانی شہزادہ نے نہیں۔ بلکہ عاقل خاں نامی دربار کے ایک امیر نے جسکا تعشق زیب النساء کیساتھ بتایا جاتا ہے۔ کہا تھا۔ اور اسکو جواب وہی ملا تھا۔ جو اوپر مذکور ہوا۔

(۳) اب ہم ایک تیسرا افسانہ معرض تحریر میں لاتے ہیں۔ جو زیب النساء سے منسوب کیا جاتا ہے۔ یہ نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ اور نہایت مہتم بالشان ہے۔ کیونکہ اسکا تعلق براہ راست شہزادی زیب النساء کے کیرکٹر سے ہے۔ اسکی معقولیت اور اسباب پر کہ وہ کہاں تک واقعات سے متعلق ہو سکتا ہے۔ آگے بحث کرینگے۔ فی الحال ہم اسکو یار لوگوں کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ امید ہے کہ ناظرین بمصداق "نقل کفر کفر نباشد" ہمیں معذور سمجھیں گے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اوایل ۱۰۷۳ھ میں نصیب دشمناں شہنشاہ اورنگ زیب کی طبیعت کسی قدر ناساز ہوئی۔ جب علاج معالجہ سے فائدہ نہ ہوا۔ تو اطبائے دربار نے تبدیل آب وہوا کی رائے دی۔ اور قرار پایا۔ کہ دار السلطنت دہلی سے چند روز کے لئے شاہی خیمہ لاہور چلا جائے سفر کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اور آخر ایک تاریخ مقرر کر کے مختصر فوج کیساتھ لاہور کو کوچ ہوگیا امید کے موافق بادشاہ سلامت کو یہاں کی آب وہوا راس آئی۔ میعاد قیام کو کچھ اور وسیع کر دیا گیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ہی شاہی بیگمات کو بھی دہلی سے لاہور میں ہی بلا لیا گیا جس کے ہمراہ شہزادی زیب النساء بھی آئیں۔

زیب النساء کیا آئیں۔ گویا باغ سخن میں باد بہاری آگئی۔ شعر و اشعار کے چرچے ہونے لگے۔ آئے دن مشاعرہ قائم۔ تمام پنجاب بلکہ دہلی کے بھی شاعروں کا جمگھٹا رہنے لگا۔ شہزادی کی طبیعت ماشاء اللہ خوب زوروں پر تھی کہتے ہیں۔ کہ اسی زمانہ میں شہر لاہور کا ناظم عاقل خاں تھا۔ جو مردانہ حسن کا ایک اعلےٰ نمونہ ہونے کے علاوہ علم و فضل میں بھی کمال کا درجہ رکھتا تھا طبیعت بھی موزوں اور چنچل پائی تھی۔ گو خود طبیعت دار تھا۔ مگر زیب النساء کی غزلیات پڑھکر پھڑک جاتا۔ دونوں ہاتھوں سے دل کو پکڑ کر رہ جاتا تھا۔ گویا دل میں کہتا تھا۔ کہ جس چمن کے یہ پھول ہیں۔ وہ چمن کیسا کچھ ہرا بھرا ہوگا۔

عالم خیال میں اسکی دلچسپی شہزادی کے ساتھ روز بروز بڑھتی گئی۔ اور اس پر گویا ایک محویت کا عالم چھاتا گیا۔ وہ شوق دیدار میں بیچین و بیقرار زار و نزار رہنے لگا۔ اور

دیدار بازی کے منصوبے باندھنے لگا۔ اسنے مہینوں وقت بے وقت قلعہ کے گرد چکر لگائے۔ کہ کسی طرح اس شمع حسن کی ایک شعاع دیکھ سکے کہتے ہیں۔ ایک روز جب یہ قلعہ کے قریب سے گذر رہا تھا۔ تو خوش قسمتی یا حسن اتفاق سے اسکی نظر شہزادی پر پڑ گئی۔ جو اپنے کمرے کے بالاخانے پر سُرخ لباس پہنے ہوئے چہل قدمی کر رہی تھی۔ جان میں جان آگئی۔ کہ گوہر مقصود یہی ہے۔ دل ہی دل میں لڈو سے پھوٹنے لگے۔ چلا کر بیتابانہ کہا۔ ع

سُرخ پوشے بہ لبِ بام نظر مے آید

چونکہ عاقل خان کے حالات زیب النساء کے کانوں تک پہنچ چکے تھے۔ وہ بھی تاڑ گئی۔ کہ وہی ذات شریف ہیں۔ لہٰذا وہ فوراً یہ کہکر اندر ہو گئی۔ ع

نہ بزور نہ بزاری نہ بزر مے آید

عاقل خان دل کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر تکتے کا دیکھتا رہ گیا۔ کہنے والے کہتے ہیں۔ کہ اس واقعہ نے شہزادی پر گہرا اثر کیا۔ اب تک تو عاقل خان کے حالات زبانی ہی سُنتی رہی تھی۔ اب آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو حسرت زدہ رہ گئی۔ گویا ایک نشانہ سے دو شکار زخمی ہو گئے۔ عرصہ تک دونوں دلوں میں شعلۂ عشق دبا رہا۔ مگر آخر تابہ کے۔ دونوں طرف آرزوئے دیدار پیدا ہوئی۔ اور ملاقات کی تدابیر سوچی جانے لگیں۔ مگر بایں ہمہ عرصہ تک اس قسم کی تقریب نہ ہوئی۔

شہنشاہ اورنگ زیب کے قیام کا زمانہ اور وسیع ہو گیا۔ اسوجہ سے بیگمات کو بھی ابھی لاہور ہی رہنا پڑا۔ شہزادی زیب النساء نے ایک باغ کی تعمیر شروع کرادی۔ جسکے آثار ابتک لاہور میں اس مقام پر پائے جاتے ہیں۔ جو پُرانی انارکلی سے آگے بڑھکر ہے۔ اور جہاں سے ملتان کی طرف سڑک گھومتی ہے۔

اس تعمیر کے سبب سے شہزادی کا زیادہ وقت اسی مقام پر صرف ہوتا تھا۔ خصوصاً اسوقت جبکہ اُس عمارت کا ایک حصہ تیار ہو چکا تھا۔ چنانچہ شہزادی معہ اپنی خواصوں کے روزانہ وہاں جاتی۔ اور بہ نفس نفیس احکام جاری کرتی تھی۔ عاقل خان کو بھی ان باتوں کا پتہ لگ گیا۔ وہ ایسے موقعہ کی تاک میں ہی تھا۔ جھٹ مقام تعمیر پر پہنچ گیا۔ مگر جب دیکھا کہ شہزادی بارہ دری کے اندر ہے۔ پردہ کا سخت انتظام ہے۔ شاہی گارد کمربستہ پہرہ پر کھڑی ہے۔ تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ تھوڑی دیر کے لئے گویا تمام آرزوؤں کا خون ہو گیا۔ ع

اسے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مگر تھے چلتے پرزے۔ تدبیریں سوچنے لگے۔ آخر ایک سوانگ بھرا۔ اور خوب بھرا۔ امیرانہ لباس اُتار کر اور جسم کو خاک و دھول سے آلودہ کر کے مزدوروں کا لباس پہنا۔ اور بے تکلف داخل ہو گئے۔ شاہی پہرہ داروں نے معمار سمجھکر نہ روکا نہ ٹوکا۔ پھر تو بڑے خوش ہوئے۔ کہ ہمارا منتر چل گیا۔ اور جھٹ شہزادی کے قریب ہی پہنچ گئے۔ شہزادی اپنی خواصوں کیساتھ شطرنج میں مصروف تھی۔ آنے اپنی طرف مخاطب کرنے کیلئے کہا۔ ع

من در طلبت گرد جہاں مے گردم

شہزادی نے نظر اُٹھا کر جو دیکھا۔ تو عاقل خان کو سر پر پایا۔ مگر کس شان میں۔ تاہم پہچان گئی۔ اور فوراً جواب دیا۔ ع

گر باد شوی بر سرِ زلفم نہ رسی

اور یہ کہکر کھیل میں مصروف ہو گئی۔ حاضرین خواصیں کچھ بھی نہ سمجھیں۔ مگر کہنے سننے والے سب کچھ کہہ گئے۔ عاقل خان وہاں سے کھسک آئے۔ اور معمار کے پاس آکر کہنے لگے کہ دوستا آپ یگیر" تھوڑی دیر میں آنکھ بچا کر نکل آئے۔ اور اپنا اصلی لباس تبدیل کر کے وہاں سے پتہ توڑ بھاگے۔

کہنے والے کہتے ہیں۔ کہ مذکورہ واقعات کے وقوع پذیر ہونے کے بعد اور بھی چند اسی قسم کے واقعات پیش آئے۔ کہ شہزادی کے ارد گرد رہنے والے اسے بدگمانی کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ شائد نامہ و پیغام کی نوبت پہنچی ہو۔ اسکا یہ اثر ہوا۔ کہ لوگوں میں کانا پھوسی ہونے لگی۔ اور اس واقعہ پر طرح طرح کی چہ میگوئیاں اور رائے زنیاں ہونے لگیں۔ کیونکہ جتنے منہ اُتنی باتیں ہوتی ہیں۔ غضب یہ ہوا کہ شہزادی کی ایک خواص خاص جو اس راز سے واقف تھی۔ کسی وجہ سے اس سے ناراض ہو گئی۔ اور اسنے ایک ایک کی چار چار بنا کر شہنشاہ کے کان میں پھونک دیں۔ شہنشاہ اورنگ زیب جیسے دیندار بادشاہ کے کان بھلا ایسی باتوں کے سننے کی تاب کہاں لا سکتے تھے۔ اسکا دل غضب اور غصہ سے پُر ہو گیا۔ تاہم وہ مصلحت وقت کا لحاظ کر کے خاموش ہو رہا۔ صرف اتنا کیا۔ کہ شہزادی کو لاہور سے دار الخلافہ دہلی میں بُلا لیا۔ وہ خود اس سے قبل دار السلطنت کو جا چکا تھا۔ اور شہزادی تکمیل تعمیر کی غرض سے ابھی یہیں تھی۔ خیر جب شہزادی دہلی آ چکی۔ تو اورنگ زیب نے علیحدہ بلا کر تنہائی میں شادی

کے متعلق گفتگو کی شہزادی نے شرم سے گردن جھکا لی جب اورنگ زیب نے بار بار کہا۔ اور جواب مانگا تو کہا کہ خادمہ کو فرمودہ رسول اور حکم رسول میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ اور جبکہ حضور ارشاد فرماتے ہیں تو اسکی تعمیل میری عین سعادتمندی ہے۔ لیکن میں نہایت ادب کیساتھ اسقدر عرض کرنے کی جرأت کرتی ہوں۔ کہ مجھے اس معاملہ میں حسب وعدہ قدرے آزادی دیجائے۔ شہنشاہ نے کہا۔ کہ ہاں میں چونکہ اسبارہ میں تمکو کامل آزادی دے چکا ہوں۔ اسلئے تمہاری مرضی کے خلاف کوئی امر نہ کرونگا۔ شہزادی نے شکریہ کی غرض سے سر جھکا کر کہا۔ کہ چونکہ حضور اس لونڈی پر اسقدر شفقت پدرانہ فرماتے ہیں۔ اسلئے مجھے یقین ہے کہ حضور میری اس رائے کو بھی پسند فرمائینگے۔ کہ آپ اعلان عام کر دیجئے۔ کہ میں چونکہ شہزادی کی شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اسلئے جو امراء و وزراء اور شہزادے نکاح کے خواستگار ہوں۔ وہ اپنی اپنی تصاویر دربار میں بھیجدیں۔ ان تصاویر کو شہزادی زیب النساء خود دیکھیگی۔ اور خود اپنے لئے شوہر منتخب کریگی۔

شہنشاہ نے اس دانشمندانہ مشورہ کو پسند فرمایا۔ اور اس مضمون کے احکام شایع کردیئے چند روز میں ہی درخواستوں اور تصویروں کے ڈھیر لگ گئے۔ یہ تصاویر دربار میں آتی تھیں۔ اور شہنشاہ زیب النساء کے سپرد کر دیتے تھے۔ اور لوگوں کیساتھ عاقل خان کی بھی درخواست اور تصویر آئی۔ وہ تو منتے ہوئے ہی تھے۔ اور شاید سمجھے ہوں۔ کہ یہ سب چالیں ہمارے لئے ہی شہزادی نے کی ہیں۔ بہرحال انکی تصویر آئی۔ اور شہزادی نے وہی منتخب کرکے بادشاہ کو دی۔ شہنشاہ کو اس عقد میں کوئی تامل نہ ہوا۔ چنانچہ اسے فوراً عاقل خان کو جو ناظم لاہور بنایا جاتا ہے۔ فرمان لکھا۔ کہ چونکہ برخوردار شہزادی زیب النساء کی طبیعت کا میلان تمہاری جانب پایا جاتا ہے۔ لہٰذا تم اس فرمان کو پاتے ہی اپنے آپکو دار السلطنت دہلی حاضر کرو۔ اور سنت رسول اکرم کو اپنے لئے موجب فخر و مباہات سمجھو۔

گو یہ پیغام عاقل خان کیلئے شادیٔ مرگ سے کم نہ تھا کیونکہ اسکی من مانی مراد ملی۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ اسکی باچھیں کھل گئیں۔ اور سفر سامان تیار کرنے لگا۔ کہ جسقدر بھی جلد ممکن ہو۔ دہلی پہنچ جائے۔ مگر آہ۔ ع

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو
سوزن تدبیر گو ساری عمر سیتی رہے

تقدیر کسی گوشہ میں کھڑی ہوئی ہنس رہی تھی۔ اور کہہ رہی تھی۔ کہ ہنوز دہلی دور است

امراء و وزراء میں اکثر باہمی رنجشیں رہا کرتی ہیں۔ اور انکی پارٹیاں بنجایا کرتی ہیں۔ جسکا نمونہ بعض ہندوستانی ریاستوں یا سرکاری دفتروں میں کبھی کبھی اب بھی نظر آجایا کرتا ہے۔ اسی طرح دربار دہلی میں بھی چند ایسے لوگ تھے۔ جو عاقل خان کی طرف سے صاف نہ تھے۔ بلکہ اسے زک دینا چاہتے تھے۔ گو بظاہر دوست تھے۔ مگر دل میں جو کچھ تھا۔ وہ تھا۔ چنانچہ اس پارٹی کے ایک شخص نے جو عاقل خان کا دوست تھا۔ عین اسوقت جبکہ وہ دہلی جانے کیلئے بالکل تیار تھا۔ ایک خط لکھا جسکا مضمون پڑھکر عاقل خان دنگ رہ گیا تھا۔ لکھا کہ حضرت شہزادی سے عشق کرنا خالہ جی کا گھر نہیں۔ بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔ آپ دہلی آیئے۔ اور اپنی کرتوتوں کا خمیازہ اُٹھایئے۔ تم آئے اور شہنشاہ نے تمہاری جان لی۔ تمہاری عشقبازی کے افسانے اب طشت از بام ہو گئے ہیں۔ نکاح کیلئے طلبی۔ شہنشاہ کا ایک فقرہ ہے۔ جسکا مطلب یہی ہے۔ کہ تمکو سہولیت سے شکار کیا جائے۔

اس وحشتناک تحریر نے عاقل خان کا وہ حال کر دیا۔ کہ کاٹو تو لہو نہیں تھا بدن میں۔ اسکی تمام آرزوئیں۔ شادی کی آئندہ کی خوشیاں۔ وصال کے لطف۔ سب پر اوس پڑ گئی۔ اور اُسے اپنی جان کے لالے پڑتے نظر آنے لگے۔ وہ حریف کی چال کو نہ سمجھا۔ بلکہ اسکی تحریر کو نفس الامر سمجھا۔ اور شہنشاہ کو لکھ بھیجا۔ کہ مجھے اس شادی اور حاضری سے معاف کیجئے۔ بلکہ ملازمت سے بھی استعفا لیجئے۔ "بخشو بی بلی چوہا لنڈورا ہی بھلا" اسکا اندازہ خود کیا جاسکتا ہے کہ اس خشک جواب کا شہنشاہ کے دل پر کیا اثر ہوا ہوگا۔ لیکن ہنوز اسکا کوئی ظہور نہیں ہوا۔ گو یہ ایک معمولی بات تھی۔ کہ رفت گذشت ہو گئی۔ مگر عاقل کی قسمت درپے دشمنی تھی۔ جب موت آتی ہے۔ تو گیدڑ شہر کی طرف بھاگتا ہے۔ آپ فرمان کا جواب تو نفی میں دے بیٹھے مگر غضب یہ کیا۔ کہ خفیہ طور پر دہلی جا پہنچے۔ مگر یہ واقعہ ایسا معمولی نہ تھا۔ کہ شہنشاہ کے کان تک نہ پہنچتا۔ مگر وہاں اب بھی محض سکوت رہا۔ اس افسانے کے تراشنے والے کہتے ہیں۔ کہ شہنشاہ کے اس تحمل سے عاقل خان کی جرأت بڑھی۔ حتی کہ اسنے خواصوں کو گانٹھ کر محل میں آنا اور شہزادی سے خفیہ خفیہ ملنا شروع کر دیا۔ کہتے ہیں۔ کہ جب عاقل انکاری خط لکھنے کے بعد دہلی چلا آیا۔ اور زیب النساء کو اطلاع ہوئی تو شہزادی نے ایک خط لکھکر عاقل کے پاس بھیجا جسمیں یہ بھی لکھا۔ کہ ع

شنیدم ترک خدمت کرد عاقل خاں بنادانی

یہ رقعہ ایک خواص کے ذریعہ عاقل خان کے پاس پہنچایا گیا۔ اور یہی خواص اسکا جواب لائی۔ دوسری باتوں کے سوا مصرعہ کا جواب مصرعہ ہی تھا۔ لکھا تھا۔ ع

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

یعنی شہزادی نے لکھا۔ کہ تمنے ملازمت ترک کی۔ نادانی کی۔ اسنے جواب میں لکھا۔ کہ میں ایسا کام کیوں کروں جسمیں کوئی پشیمانی اٹھانی پڑے۔ اسمیں یہ بات مضمر تھی۔ اگر میں ترک ملازمت نکرتا تو کیا کرتا۔ وہاں تو میری جان لینے کے سامان ہو رہے تھے۔ نکاح شادی کسکی۔ وہ تو ایک فقرہ تھا۔ الغرض وقت گذرتا گیا۔ عاقل کی آمدورفت محل میں کم نہ ہوئی۔ دوست دشمنوں نے لگائی بجھائی شروع کی۔ آخر ایک روز عین موقعہ پر جبکہ عاقل شاہی باغ میں موجود تھا۔ شہنشاہ کو اطلاع کیگئی۔ شہنشاہ چلے آئے۔ فوج نے باغ کا محاصرہ کر لیا۔ شہزادی اور عاقل بہت گھبرائے عزت کیسی جان کے لالے پڑگئے۔ شہنشاہ کے آنے کی خبر آن کی آن میں ایسی آئی۔ کہ ہاتھ۔ پاؤں پھول گئے۔ عاقل سے اگر بن پڑتا۔ تو فرار ہو جاتا۔ مگر وہاں تو فوجوں نے تمام ناکے روک رکھے تھے۔ اور اب وقت بھی نہیں رہا تھا۔ کوئی صورت بن نہ پڑتی تھی۔ جب کوئی تدبیر نہ سوجھی۔ تو شہزادی نے عاقل کو ایک دیگ بتاکر جو پاس ہی رکھی تھی۔ اوپر سے ڈھک دیا۔ شہنشاہ بھی آدھکے۔ چور کی بہت جستجو کی خواصوں کو ڈرایا۔ دھمکایا۔ لالچ دیا۔ مگر پتہ نہ پایا۔ خواصوں نے گو شہنشاہ کو خود ہی اسکے متعلق اطلاعات وقتاً فوقتاً پہنچائیں تھیں۔ تاہم وہ شہزادی سے بہت ہی ڈرتی تھیں۔ خصوصاً اس کی کھلی مخالفت کی کسی میں طاقت نہ تھی۔ مگر آخر جب شہنشاہ نے انکو بہت ڈانٹا۔ تو انمیں سے ایک نے آنکھ کے اشارے سے دیگ کو بتایا۔ شہنشاہ نے شہزادی سے پوچھا۔ کہ اس دیگ میں کیا ہے۔ اسکی زبان سے نکل گیا۔ کہ گرم کرنے کیلئے پانی ہے۔ کہا ہاں تو پھر کیوں نہ گرم ہو۔ شہزادی خاموش ہو رہی۔ مگر شہنشاہ نے حکم دیا۔ کہ فوراً اسکے نیچے آگ جلاؤ۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ عاقل پر جو گذری گذری۔ مگر اُف نہ کی۔ کیونکہ شہزادی نے قریب جاکر کہا کہ دم مزن یاش مثال کلہ بارے!! زیب النسار کو خیال تھا کہ شاہ یہاں سے جلد ٹل گیا۔ تو میں عاقل کو نکال لونگی۔ مگر "راج ہٹ" مشہور ہے۔ وہ جو اپنی آن کا پورا تھا جب تک بالکل یقین نہ ہوگیا۔ کہ عاقل کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا ہوگا۔ وہاں سے ٹلا نہیں۔ اور اس طرح عاقل کی ہستی نہایت نامرشتی کیسا تھ گل ہوگئی۔ ؎

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

یہ ہے وہ فرضی فسانہ جو یار لوگوں کی ایجاد ہے۔ لکھا ہے۔ کہ بیچنے آخری وقت اس نے یہ مطلع کہا تھا۔ ؎

بعد مردن ز جفائے تو اگر یاد کنم
از کفن دست بیروں آرم و فریاد کنم

مذکورہ بالا افسانوں پر تنقیدی نظر

(۱) بقول فسانہ تراش شہنشاہ اورنگ زیب کی عالمہ اور فاضلہ بیٹی کو مخاطب کرکے اسکا ایک معمولی ملازم شاعر کہتا ہے۔ کہ ع

شائد رسید بر لب زیب النساء لبم

کیا سلطنت مغلیہ کا رعب و داب اور خصوصاً اورنگ زیب کی سطوت و جبروت جسے عوام الناس ظلم کی حد تک بڑھا ہوا بیان کرتے ہیں۔ یہ اجازت دے سکتا ہے۔ کہ ایک ادنٰے ملازم ایسے گستاخی بھرے الفاظ زبان پر لائے۔ اور اسکو سزا نہ ملے۔ ہم کہتے ہیں۔ اور بڑے زور سے کہتے ہیں۔ کہ یہ قصہ سرے ہی سے غلط ہے۔ اور ہمیں کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ ناصر علی ایسی جرأت کرتا۔ تو کافی سزا نہ پاتا۔ تاریخ ملاحظہ فرمایئے۔ کہ اورنگ زیب احکام شریعت کی خلاف ورزی میں کیسا سخت ہے۔ ہر ایک ادنٰے ادنٰے بات کو نظر میں رکھتا ہے۔ کوئی شہزادہ۔ کوئی امیر۔ کوئی وزیر ایسا نہیں۔ کہ جو اسکی سیاست سے کچھ رعایت حاصل کرسکے۔ جو سلوک اسنے اپنی اولاد اور بھائیوں سے کیا۔ وہ ظاہر ہے پس یہ بیان کیسا لغو ہے۔ کہ اسکے ایک ادنٰے ملازم شاعر ناصر علی نے ایسا گستاخی بھرا کلمہ اسکی نور نظر کو مخاطب کرکے نکالا ہو۔ اس قسم کا ایک واقعہ مجھے یاد آیا۔ جو بسبیل تذکرہ لکھتا ہوں جس سے تنقیدانہ فسانہ پر کچھ نہ کچھ ضرور روشنی پڑیگی۔

صاحب خزانہ عامرہ صیدی طہرانی کے تذکرے میں لکھتے ہیں۔ کہ ایک مرتبہ جہاں آرا بیگم جو شہزادی زیب النساء کی رشتہ میں پھوپھی ہوتی تھیں۔ باغ کی سیر کو گئیں۔ ہر طرف پردہ کا انتظام نہایت معقولیت سے کرایا گیا تھا۔ باغ میں مردوں کی آمد و رفت کی قطعاً ممانعت کردی گئی تھی۔ مگر حضرت صیدی کو جو شرارت سوجھی۔ تو اس باغ کی سہ دری میں چھپ چھپا کر تماشہ دیکھنے لگے۔ شہزادی ہاتھی پر سوار تھی۔ خواصوں کی ارد گرد قطار تھی۔ جب شہزادی کا ہاتھی بالکل نزدیک آگیا تو صیدی کے منہ سے باواز بلند بیساختہ یہ شعر نکل گیا۔ ؎

برقع بہ رخ افگندہ برد ناز بہ باغش
تا نکہت گل بیختہ آید بہ دماغش

ترجمہ:- شہزادی باغ میں برقعہ پہنکر اس لئے جاتی ہے۔ کہ پھول کی خوشبو اسکے دماغ میں جھپک سکے
ناظرین خود قیاس کرسکتے ہیں۔ کہ الفاظ میں گستاخی کا لفظ نہیں ہے۔ لیکن سُنیئے کہ صیدی کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔

جہاں آرا بیگم نے حکم دیدیا۔ کہ صیدی کو کشاں کشاں میرے سامنے لایا جائے۔ چنانچہ خواصوں نے پیش کیا۔ شہزادی نے مکرر سہ کرر وہی مطلع پڑھوا کر سُنا۔ اور اسکو مبلغ ۵ ہزار روپیہ بھی بطور صلہ کے دیئے۔ مگر شہر بدر بھی کروا دیا۔ اس واقعہ سے ناصر علی اور زیب النساء کے متعلق مشہور کردہ فسانہ کا اندازہ کیجئے۔

(۲) سنیو سہ بے سن میخواہم" از مطبخ مادر طلب" پہلا فقرہ ایرانی شہزادہ یا عاقل خان کی طرف سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اور دوسرا فقرہ اسکا جواب ہے۔ جسکا کہنے والا "زیب النساء" کو بتایا جاتا ہے۔ اگرچہ ان ہر دو فقروں میں۔ ع

شاید رسید برلب زیب النساء لیم

جیسی شوخی اور گستاخی کی گندگی نہیں۔ اور بادی النظر میں خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ ممکن ہے یہ دونوں ذومعنی فقرات بیساختگی کے ساتھ نکل گئے ہوں۔ لیکن جب ہم اس امر پر ذرا سنجیدگی اور متانت کیساتھ غور کرتے ہیں۔ کہ اُس زمانہ میں شہزادوں اور امیرزادوں کو کس قسم کی تعلیم و تربیت دیجاتی تھی۔ اور ان کے معلم و اتالیق اور ادب آموز کس پایہ کے ہوتے تھے۔ درباری آداب کیا تھے۔ علم مجلسی کیا تھا۔ شہزادیاں کہاں تک ایسے معاملات میں آزاد تھیں۔ تو یہ طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔ اور صاف نظر آتا ہے۔ کہ نہیں نہیں یہ محض الہام ہے۔ اور یار لوگوں کی گپ ہے۔ اسلئے ہمیں دوسری حکایت کے بھی واقعہ قرار دینے میں تامل ہے۔

یہ دونوں واقعہ چونکہ زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ ہمنے انپر معمولی طور پر نظر ڈالی ہے۔ مگر چونکہ تیسرا واقعہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے خصوصیت کیساتھ قابل غور ہے۔ لہذا ہم کسی قدر تفصیل کیساتھ کام لینگے۔ کیونکہ یہ مسئلہ زیب النساء کے کیرکٹر پر بہت کچھ روشنی ڈالنے والا مسئلہ

جو فسانہ اوپر کسی قدر طوالت کیساتھ بیان ہوا ہے۔ وہ چند فقروں میں اسطرح بیان ہوسکتا ہے کہ عاقل خان اور زیب النساء میں ناجائز یا جائز تعلقات ہوگئے۔ اورنگزیب کو خبر ہوئی۔ تو اسنے ایسی وحشیانہ سزا دی جسکی نظیر تاریخ کے کسی حصہ میں نہیں ملتی۔

اوّل ہمیں معلوم کرنا ہے۔ کہ عاقل خان کون تھا۔ اسکا کیرکٹر کیسا تھا۔ اسکی پوزیشن کیا تھی۔

عاقل خان کا نام اور اسکے متعلق واقعات ذیل کی کتابوں میں ملتے ہیں؟۔
عالمگیرنامہ۔ ماثر عالمگیری۔ تذکرہ سرخوش۔ خزانہ عامرہ۔ سرو آزاد۔ ید بیضا اور ماثر الامرا میں تو اسکے حالات نہایت تفصیل کیساتھ لکھے گئے ہیں۔ چنانچہ ان سب۔ اور دیگر کتابوں سے جو حالات ہمیں ملے ہیں۔ انکا یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ عاقل خان ایک عالم و فاضل شخص ہے۔ اسکا کیریکٹر نہایت اعلےٰ ہے۔ وہ تہذیب و شائستگی اور خوبیوں کا مجموعہ ہے۔ وہ شاعر بھی ہے۔ اور رکن سلطنت بھی۔ اور ہر قسم کے معاملات کو بخوبی سمجھتا ہے۔ اب دیکھنے کے قابل ایک اور بات ہے۔ کہ اسکے واقعات عمری میں یہ تو بیان ہو گیا۔ کہ اسکا انتقال ۱۱۰۸ھ میں ہوا۔ لیکن اسکی زندگی کے ایسے اہم واقعہ کو یعنی تعشق کی عبرت انگیز سزا موت کو کسی نے بیان نہیں کیا۔ کیوں نہیں بیان کیا!۔ بات اتنی ہے کہ یہ واقعہ نہیں۔ بلکہ افسانہ ہے۔ اگر واقعہ ہوتا۔ تو ایک مورخ نہ لکھتا۔ دوسرا لکھتے۔ کوئی نہ کوئی ضرور ہی لکھتا۔ جب اورنگ زیب کے ذرا ذرا سے حالات خافی خان نے خفیہ خفیہ ہی تاریخ کے صفحہ پر ٹانک دیئے۔ تو اسکی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ کہ وہ ایسے بڑے واقعہ کو دیکھتا۔ اور خاموش رہتا۔ سنتا اور کچھ نہ لکھتا۔ یا دوسرے مورخوں سے نقل نہ کرتا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ دراصل اس فسانہ کی بنیاد محض پانی پر ہے۔ اب اسکے ساتھ ہی ساتھ فریق ثانی یعنی زیب النساء کے عام کیرکٹر اور سوانحعمری پر نظر ڈال لو۔ جو ہم نہایت تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ وہ ایک غیور اور متین اور علم دوست سخن سنج شاعرہ ہے۔ اسکی علمی چسپیاں اسقدر وسیع ہیں۔ کہ دیگر جذبات کو اسکے دل میں راہ نہیں۔ وہ اپنے باپ کا اسی قدر ادب کرتی ہے جتنا ایک فاضل بیٹی کر سکتی ہے۔ شہنشاہ اسکے ساتھ اسی قدر محبت اور عزت کا برتاؤ کرتا ہے۔ جتنا کہ اسکے شایان شان ہے۔ مگر ساتھ شہزادی کو جب باپ کی بے رورعایت اور سخت گیر طبیعت کا خیال آ جاتا ہے۔ تو وہ اسکے غضب سے کانپ اٹھتی ہے۔ اب غور کرو۔ کہ کیا ایسے باپ کی زیب النساء ایسی بیٹی ایسے جرم کی مرتکب ہو سکتی ہے۔ جو عصمت دری سے تعلق رکھتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ معمولی درجہ کی ایشیائی عورت بھی اپنے ننگ و ناموس کی حفاظت اپنی جان کھو کر کرتی ہے۔ اور اس کی یہ شہزادی شاہی محل میں ہیں جب یہ حالت ہے۔ تو ان سادہ دل دوستوں کو جو معاذاللہ شہزادی زیب النساء کے سر یہ الزام لگاتے ہیں۔ کیا شرمانا نہ چاہیئے۔

اورنگ زیب کا کیا رعب و دبدبہ تھا۔ اسکا مفصل پتہ تاریخ دیتی ہے۔ لیکن مجمل یہ ہے کہ شہنشاہ [illegible] شاہی قلعہ [illegible] اور محلوں کی بیگمات اور شہزادے شہزادیاں۔ دربار کے وزیر منصب دارات

کے حاکم۔ غرضیکہ تمام اہلکار اس سے اس طرح کانپتے تھے۔ جیسے قصائی سے گائے۔ کیونکہ اسکے انصاف کو نہ سفارش خرید سکتی تھی۔ نہ رشوت۔ وہ کسی کی رو رعایت ذرا روا نہ رکھتا تھا۔ ہر وقت کے لئے تیار تھا۔ خلاف شرع کوئی فعل مجال ہے۔ کہ اسکے سامنے ہو جائے۔ پس جب یہ حالت تھی۔ تو پھر ہم پوچھتے ہیں کہ کیا زیب النساء اور عاقل خان کے دل پر ذرا بھی ان باتوں کا اثر نہ ہوا۔ ان باتوں کا نہ سہی۔ اپنی بدنامی کا سہی حقیقت یہ ہے۔ اگر وہ انسان تھے۔ اور یہ صحیح ہے۔ بلکہ وہ فرشتہ سیرت تھے۔ تو فی الحقیقت ان سے یہ حرکات سرزد نہیں ہو سکتیں۔

اسکے علاوہ اس واقعہ پر ایک اور پہلو سے غور کیجئے۔ جبکہ تعشق میں زیب النساء اور عاقل خان کا پلہ برابر ہے۔ انصاف مجسم۔ سخت گیر و پابند شرع اورنگ زیب عاقل خان کو تو یہ سزا دیتا ہے۔ کہ بیچارے کو دیگ میں بند کر کے جلوا دیتا۔ اور زیب النساء سے یہ بھی نہیں پوچھتا۔ کہ تیرے منہ میں کے دانت ہیں۔ ناظرین! کیا اورنگ زیب سے آپکو ایسی توقع ہو سکتی ہے یاد رہے کہ اورنگ زیب وہی ہے۔ جسنے اپنے بھائیوں اور شہزادوں کو شرعی سزاؤں سے مستثنےٰ نہ کر کے انصاف کے ترازو کا پا بھار نہیں ہونے دیا تھا۔

اورنگ زیب کے فرضی مظالم کا صور مورخین نے نہایت بلند آہنگی سے پھونکا ہے۔ خصوصاً یورپین مورخین نے تو اس بیچارہ پر وہ عنایت کی ہے۔ کہ بس پوچھئے نہیں۔ مگر با ایں ہمہ عاقل خان کے متعلق کسی نے اشارہ تک نہیں کیا۔ پس اگر یہ واقعہ ہوتا۔ اور اورنگ زیب کے عہد سے تعلق رکھتا ہوتا۔ تو کوئی مورخ خصوصاً یورپین اسکا تذکرہ زور سے کرتے۔ کیونکہ انکو ایک اور معاملہ ملتا تاکہ فہرست مظالم میں ایک نمبر اور بڑھا سکتے۔ اسلئے اب کوئی شبہ باقی نہ رہا کہ اس فسانہ کو واقعہ کی اہمیت دینا سراسر نادانی ہے۔ پس یہی سمجھ لینا کافی ہے۔ کہ یہ بھی بھنگ خانہ کی نکلی ہوئی ایک گپ ہے۔ اور بس۔

شادی کیوں نہ ہوئی

کسی تاریخ سے یہ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ شہزادی کی شادی ہوئی۔ اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام عمر تجرد میں رہی۔

محض سطحی باتوں پر نظر کرنے والوں کو اسکے مجرد رہنے سے بھی اسکے کیرکٹر پر حرف گیری کرنے کا موقعہ مل گیا۔ جو خود انکی اپنی غلطی ہے۔

اب ہمیں پہلے یہ دیکھنا ہے۔ کہ شادی نہ ہونے کی وجوہات کیا ہوئیں۔ عام طور پر مشہور ہے کہ سلاطین تیموریہ لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے تھے۔ بقول مولانا شبلی اس غلط روایت کو یورپین مصنفوں نے بہت شہرت دی ہے۔ اور اس سے انکو شاہی بیگمات کی بدنامی پھیلانے میں بہت مدد ملی ہے لیکن یہ قصہ ہی سرے سے بے بنیاد ہے خود عالمگیر کی دو بیٹیاں زبدۃ النسا بیگم اور مہر النسا بیگم سپہر شکوہ اور ایزد بخش (پسر شہزادہ مراد سے بیاہی گئی تھیں) چنانچہ ماثر عالمگیری میں دونوں شادیوں کی تاریخیں اور مختصر حالات لکھے ہیں۔ اور خاتمہ کتاب میں بھی اسکا ذکر کیا ہے۔ پس تو صحیح ہے کہ شہزادی زیب النسا بلا نکاح رہیں۔ لیکن بیگمات مغلیہ کا عمومیت کے ساتھ مجرد رہنا بالکل سفید جھوٹ ہے۔ جو یورپین کی غلط بیانی یا عدم واقفیت کا نتیجہ کہنا چاہیئے۔

شہزادی کے شادی نہ کرنے کے وجوہات مورخین مختلف اور کئی بیان کرتے ہیں۔ جنکی تفصیل ذیل میں درج کرنا غالباً غیر ضروری نہ ہوگا۔

(۱) چونکہ وہ علم و فضل اور بالخصوص سخن سنجی میں اعلیٰ درجہ مہارت رکھتی تھی۔ اسلئے وہ نہیں چاہتی تھی۔ کہ کوئی شخص اسکا شوہر بنکر اسکی آزادی میں رخنہ انداز ہو۔

(۲) چونکہ اس زمانہ میں عموماً شہزادوں کیساتھ پولیٹیکل پیچیدگیوں کیوجہ سے دوسری قسم کا سلوک کیا گیا۔ اسلئے اسکا دل لذائذ دنیا سے پھر گیا تھا۔ دنیا کی بے ثباتی کا نقش اسکے دل پر جم گیا۔ اور اسوجہ سے وہ ہمیشہ مجرد رہی۔

(۳) کہتے ہیں کہ اسکی نسبت اوّل اوّل دارا شکوہ کے بیٹے (غالباً اسکا نام سلیمان شکوہ تھا) کیساتھ ہوئی تھی۔ جس سے شہزادی کو بھی بوجہ اسکے اس خصوصیت سے اُنس ہوگیا تھا۔ مگر جب وہ پولیٹیکل پیچیدگیوں کا شکار ہوگیا۔ تو شہزادی کے دل پر ایک گہرا چرکا لگا۔ کہتے ہیں۔ کہ اسکے بعد اورنگ زیب نے شہزادی کی دوسری جگہ نسبت کرنی چاہی۔ تو اسنے قطعاً انکار کردیا۔ اور تمام عمر مجرد رہنا ہی پسند کیا۔

مذکورہ بالا وجوہات پر گہری نظر ڈالنے سے کئی باتیں دلکو لگتی ہیں۔ اور گو ہم ان روایات کو تمام و کمال صحیح ماننے کے لئے تیار نہیں۔ تاہم اس نتیجہ پر ضرور پہنچتے ہیں۔ کہ ممکن ہے کہ اسکی نسبت ہوئی ہو۔ اور سلیمان شکوہ کی موت نے شہزادی کے دل پر خاص طور پر بے ثباتی دُنیا کا اثر کیا ہو۔ اور اسنے تجرد کی زندگی کو سوشیل زندگی پہ ترجیح دی ہو۔ اور اسکے لئے یہ کوئی عجیب بات نہ تھی۔ کیونکہ اسکا علمی سقف اسقدر بڑھا ہوا تھا۔ کہ وہ ہر ایک وقت اُسی میں

منہمک رہتی تھی۔ دوسری باتوں کی طرف اسکا دماغ مصروف ہی نہیں ہوتا تھا۔ پس یہ قرین قیاس ہے کہ ایسے اسباب کے جمع ہونے پر اسکی طبیعت نے اُسے آزادی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا ہو۔ اور یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ اور نہ اس سے اسکے کیرکٹر پر کوئی دھبہ آتا ہے۔ اب یوں کہنے والے خواہ کچھ ہی کہیں۔

علم کی سرپرستی

شہزادی کی فیاض طبیعت نے شاعری اور شاعروں کو جو چار چاند لگائے۔ اس کا تذکرہ ہم کسی اور مقام پر کر چکے ہیں۔ اسلئے ہم اس عنوان کے تحت میں شہزادی کے ان کارناموں کا ذکر کرینگے جو اسکی علم دوستی اور علمی سرپرستی سے تعلق رکھتے ہیں۔

چونکہ زیب النساء خود فاضل تھی۔ اسلئے وہ فضلا کی نہایت عزت و قدردانی کرتی تھی۔ اسنے ایک محکمہ تصنیف و تالیف کھولا ہوا تھا۔ اور شہزادی کی نگرانی میں علماء و فضلاء نے بہت سی عمدہ کتابیں تالیف و تصنیف کیں۔ چنانچہ مولوی غلام علی آزاد صاحب تذکرہ ید بیضا میں بیان کیا ہے۔ کہ "ہمت بہ ترقیہ حال ارباب فضل و کمال مصروف میداشتہ جماعت کثیرانہ علماء و شعراء و منشیان و خوشنویسان بسایہ قدردانی او آسودہ بودند و کتب و رسایل بسیار بنام او سمت تالیف پذیرفتہ"

لائبریری شہزادی نے رقم کثیر صرف کرکے نہایت اعلے کتب بہم پہنچائی تھیں۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اسکے پاس اتنا علمی ذخیرہ ہو گیا تھا۔ کہ اُس زمانہ میں ایسے کتبخانہ کی نظیر نہ ملتی تھی۔ واقعی یہ عظیم الشان تھا۔ اور علماء و فضلاء جو تصنیف و تالیف میں مصروف تھے۔ اس سے استفادہ کرتے تھے۔ اسی کتبخانہ کے متعلق ایک مورخ لکھتا ہے کہ "در سرکار علیہ۔ (دربار زیب النساء) کتاب خانہ گرد آمدہ بود۔ کہ بہ نظر ہیچ یکے در نیامدہ باشد" دیکھو معاصر عالمگیری کا صفحہ ۵۳۹۔

ترجمہ تفسیر کبیر فارسی میں سب جانتے ہیں۔ کہ تمام تفسیروں میں امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر بہ اعتبار جامعیت و تفصیل اوّل درجہ کی ہے۔ مگر زیب النساء کے زمانہ میں اس کے ترجمہ کی طرف کسی نے توجہ نہیں۔ شہزادی کی دوربین نظر نے اسکی کمی محسوس کرکے اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ چنانچہ ملا صفی الدین اردبیلی نے جو اسوقت وارد کشمیر تھے۔ شہزادی کے اشارے

سے اسکا ترجمہ کر ڈالا۔ اور شہزادی کے نام پر اسکا نام زیب التفاسیر رکھا۔ جو مذہبی اور علمی اہمیت کے لحاظ سے بہت عرصہ تک یادگار رہیگی۔ اس تفسیر کو بعض لوگ زیب النساء کی مستقل تصنیف بیان کرتے ہیں۔ لیکن بقول مولانا شبلی نعمانی یہ ایک مغالطہ ہے۔ جو لفظ زیب سے پیدا ہوتا ہے۔ ایسا اکثر ہوا ہے۔ کہ اس عہد کے مصنفوں نے کتابیں تصنیف کر کے شہزادی کے نام سے منسوب کرنے کیلئے اسکے نام کا پہلا جزو زیب بنا دیا ہے۔ جس سے اکثر تذکرہ نویسوں نے ان کتابوں کو زیب النساء کی تصنیف سمجھا ہے۔ مگر یہ غلطی ہے۔ اور اسی سلسلۂ اغلاط کیوجہ سے دیوان مخفی کے کلام زیب النساء ہونے سے انکار کیا جاتا ہے۔ جیسے ہمنے کسی اور مقام پر مفصل بحث کی ہے۔

شہزادی زیب النساء کی تصانیف

قطع نظر اسکے بہت سے اُستادوں کی تصانیف شہزادی کے نام پر تصنیف ہوئیں۔ اور اسی نام پر انہوں نے شہرت پائی۔ خود زیب النساء کی تصنیف سے بھی بہت سی کتابیں ہونگی۔ مگر افسوس کہ ابتداء زمانہ سے ان کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔

دیوان بس ایک دیوان مخفی ہے۔ جسے بہت سے انصاف پسند غیر کا ہی بتاتے ہیں۔ اور زیب النساء کا دیوان ہونے سے انکار کرتے ہیں۔ جیسا کہ میں اوپر تفصیل کیساتھ لکھ چکا ہوں۔ اسکے علاوہ ایک اور کتاب کا پتہ ملتا ہے۔ جس کا نام "زیب المنشات" ہے۔

زیب المنشات یہ شہزادی کے اُن خطوط و رقعات کا مجموعہ ہے۔ جو شہزادی نے مختلف تقاریب سے تحریر کئے۔ ایک رقعہ طرز تحریر دکھانے کیلئے درج کیا جاتا ہے۔ تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں کہ شہزادی علاوہ شاعر ہونے کے انشاء پردازی میں کس پایہ کی تھی۔ رقعہ ہذا چند روز ہوئے منشی عصمت اللہ کے کتب خانہ میں موجود تھا۔ مگر اب امیر بخش علی صاحب انسپکٹر ریلوے کے پاس ہے۔ جس کو منشی صاحب موصوف نے بطور تحفہ پیش کیا تھا۔ یہ رقعہ شہزادی کے دست خاص کا لکھا ہوا ہے۔ جو اپنے مرشد کی خدمت سراپا برکت میں روانہ کیا تھا۔ رقعہ:-

نقطہ پرکار تدویر وجود ہفتم	خط محیط صفحۂ فلک ہشتم
حضرت پیر من ظلکم دیدار بہ	مردانِ خدا در ورشیدہ
زیب[1] النساء فرمانے کہ دارد	پاپائے ندارد اگر از تجرید خودم

[1] حرہ زیب النساء بیگم۔

نفریہ زنم رداست | من آنکہ بصورت گرفتار زمینی خبردار
اگر یاست دمساز خفتے | ہم چو مے گفتیہاے گفتے
اگر رواز ہمزبانی شد جدا | بے نوا شد اگرچہ دارد صد نوا

اصلاح رسومات ہندی

اکبر اعظم کے زمانہ سے پیشتر ہندی تہذیب کا اثر مغلوں پر اسقدر مسلط ہو گیا تھا۔ کہ ایرانی رنگ تو بالکل دب گیا تھا۔ اسکا ایک بڑا سبب ہندو خاتون کا قلعہ میں داخلہ تھا۔ جب اکبر کا زمانہ آیا۔ تو اور بھی کایا پلٹ ہو گئی۔ طرز۔ بود و باش۔ لباس۔ غرضیکہ ہر ایک بات ہندوانہ ہو گئی۔ ہولی۔ دیوالی کے علاوہ تمام تہوار قلعہ میں منائے جاتے تھے۔ اور شاہی تقلید سے عوام مسلمان بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ مگر عالمگیر کے زمانہ میں ان باتوں میں دفعتًا انقلاب ہوا۔ شہزادی زیب النسا نے بنفس نفیس ان معاملات میں زیادہ حصہ لیا۔ چنانچہ اپنے کوشش کر کے وہ تمام رسومات اور تہوار جو مخالف اسلام تھے۔ قلعہ سے بند کرا دیئے اور تمام بدعات کو جو طاعون کیطرح مسلمانوں میں رائج ہو گئی تھیں۔ سب کو مٹا دیا۔

لباسی اختراع

مرزا حیرت صاحب کا بیان ہے۔ کہ محرم (انگیا) کی موجد زیب النسا بیگم ہی تھی۔ اور اس سے پیشتر ہندوستان یا ایران میں اس چھوٹے لباس کے پہننے کا رواج نہ تھا۔ اگرچہ اسبات کا کسی معتبر تاریخ سے پتہ نہیں چلتا ہے۔ لیکن ہمیں اسکے صحیح تسلیم کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں۔ کیونکہ ہمیں شہزادی کی شرح اور جدت پسند طبیعت سے ایسی ایجاد کو منسوب ہوتے دیکھکر کچھ تعجب نہیں ہوتا۔

دیوان مخفی کے مطبوعہ اڈیشن اور قلمی نسخہ جات

کلام مخفی ایران کے علاوہ ہر زمانہ میں ہندوستان میں مقبول عام رہا۔ جسکا ثبوت اسکے متعدد ایڈیشنوں سے ملتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ان مطبوعات کا مختصر طور پر اس جگہ تذکرہ کرنا بےمحل نہوگا۔ نیز ان قلمی نسخوں کا جو اسوقت دستیاب ہوتے ہیں۔

(۱) دیوان زیب النساء کا ایک نسخہ مسٹر مور کے پاس موجود ہے۔ یہ قلمی ہے۔ جو علاوہ خوش قلم ہونے کے دوسرے طریقوں سے بھی دلکش بنایا گیا ہے۔ چنانچہ اسکے حاشیہ اور جدولوں پر اعلےٰ قسم کے نقش ونگار بنا کر کمال صنعت دکھائی گئی ہے۔ سنہ کتابت اسپر کوئی تحریر نہیں ہے۔ مگر جس کاغذ پر یہ لکھا گیا ہے۔ وہ نہایت پرانی طرز وساخت کا ہے۔ اور نہایت بوسیدہ ہو گیا ہے جس سے قیاس کہتا ہے کہ اسکی عمر سو سال سے کم نہیں۔ اسکے یہ معنی ہیں۔ کہ گویا یہ نسخہ شہزادی کے زمانہ ہی میں تحریر ہوا۔ صاحب موصوف کا بیان ہے۔ کہ انہیں یہ دیوان کابل سے دستیاب ہوا تھا۔ اس کا خط نہایت پاکیزہ اور باقاعدہ ہے۔

(۲) ایک دوسرا نسخہ بہ خط نسخ ہے۔ جو سنہ ۱۱۴۵ھ کا لکھا ہوا ہے۔ اسکے کاتب کوئی بزرگ مولوی حسن علی صاحب اکبر آبادی ہیں۔ گو اسکا خط اور تحریر عمدہ ہے۔ تاہم تحریر گنجان بہت ہے۔ اور یہ طرز قدیم زمانہ میں مقبول بھی تھی۔ گو اس زمانہ کے بعض لوگ اسے پسند نہیں کرتے۔ اسکی قدامت تحریر پر نظر ڈالنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ گویا یہ دوسرا یا تیسرا ہی نسخہ ہے۔ جو اصل دیوان سے نقل کیا گیا ہوگا۔

(۳) تیسرا نسخہ ایک اور ملتا ہے۔ جس پر سن تحریر سنہ ۱۱۹۶ھ یا سنہ ۱۱۷۶ھ مشکوک کہ خالی آنکھ سے نہیں پڑھا جاتا۔ بلکہ خوردبین کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسکے کاتب کا نام اس پر تحریر کیا گیا تھا۔ مگر مٹ سا گیا ہے۔ صرف خان بیگ پڑھا جاتا ہے۔ خط نسخ ہے۔ گو خوش قلم ہے۔ مگر ایسا صحیح نہیں۔ کتابت کی غلطیاں موجود ہیں۔

(۴) ایک اور قلمی نسخہ ہے۔ مگر غلط اور معمولی خط کا۔ اسکے کاتب کا نام بھی حسن علی تحریر ہے۔ مگر یہ صاحب اکبر آبادی نہیں ہیں۔ کہیں اور کے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ نسخہ اس وقت سید بہادر شاہ سوداگر عجائبات کے پاس موجود ہے۔

(۵) دیوان مخفی کا ایک اور نسخہ ہے۔ گو یہ زیادہ خوشخط نہیں۔ تاہم تعداد غزلیات کے لحاظ سے مذکورہ بالا سب نسخوں سے اوّل درجہ ہے۔ یہ نقل زمانہ قریب کی معلوم ہوتی ہے مگر چالیس سال سے کم مدت کی یہ بھی نہیں۔ یہ نسخہ اسوقت منشی رحیم بخش صاحب ملازم پولٹیکل ڈیپارٹمنٹ کے پاس موجود ہے۔

(۶) دیوان مخفی کا ایک نسخہ پنجاب لائبریری میں موجود ہے۔ اسکا خط نہایت اعلےٰ ہے۔ اور صحت بھی قابل اطمینان ہے۔ اسپر سن تحریر سنہ ۱۳۱۲ھ ثبت ہے۔

(۷) یہ نسخہ چھپا ہوا ہے۔ مگر ایران کا۔ اسکا خط پاکیزہ ہے۔ مگر ایسا صحیح نہیں۔ اسکے علاوہ آٹھ۔ نو ایڈیشن نولکشور میں طبع ہوئے ہیں۔ جن میں سے دو تین تو نہایت ہی نامکمل ہیں۔ یعنی انکی غزلیات کی تعداد کم ہے۔ ان پر کاغذ بھی معمولی لگایا گیا تھا۔ غزلیات بھی زیادہ تھیں۔ ان میں سے ایک نسخہ اسی مطبع کا کانپور کا چھپا ہوا دیکھا گیا۔ جو ایک سو اٹھائیس صفحات پر ختم ہوا تھا۔ مگر بہ لحاظ کتابت وصحت معمولی۔

(۸) اس دیوان کے دو ایڈیشن لاہور کے دیگر مطابعوں میں بھی چھپے۔ چنانچہ میں نے آفتاب پریس کا چھپا ہوا ایک نسخہ دیکھا ہے۔ جو بہ اعتبار کتابت وکاغذ اچھا ہے۔ مگر بہ اعتبار تعداد غزلیات نامکمل۔

(۹) اسی طرح لاہور کا چھپا ہوا دیوان مخفی کا ایک اور نسخہ میری نظر سے گذرا۔ مگر اسمیں کوئی عمدگی اور خصوصیت نہ تھی۔ جو قابل تذکرہ ہو۔

مذکورہ بالا دو ایڈیشن کے تین نسخہ جات دیوان مخفی کے پنجاب پبلک لائبریری کی فہرست دیکھتے ہوئے پائے گئے۔ جو کہ مطبوعہ مطبع منشی نولکشور کے ہیں۔ جب مینے تینوں نسخے دیکھنے کیلئے لائبریری سے طلب کئے۔ تو بڑی مشکل سے ایک نسخہ ملا۔ باقی کی نسبت جواب ملا کہ نہیں ہیں۔ مگر وجہ نہ بتائی گئی۔ یہ نسخہ کشمیری دبیز کاغذ پر چھپا ہوا ہے۔ اور اسکے سرورق پر حسب ذیل عبارت تحریر ہے۔

دیوان نواب زیب النسا بیگم بنت اورنگ زیب محی الدین عالمگیر غازی انار اللہ برہانہٗ۔

دیوان مخفی

محمد مصطفےٰ خان خلف حاجی محمد روشن خان مطبع نظامی کانپور

اس دیوان میں تقریباً دو سو غزلیات چند قصائد ومثنوی اور ایک تظمین ہے۔ دیوان کے آخر میں حسب ذیل عبارت بطور خاتمۃ الطبع کے تحریر ہے۔

شکر بدرگاہ شیرازہ بند دفتر کائنات نظم فرمائے۔ دیوان موجودات کہ مجموعہ تازہ مضامین سفینہ طور معانی رنگین بحر دواج بادو خیالی مسمّٰی بہ "دیوان مخفی" از نتائج افکار ابکار پردہ نشین تتق عزت وسخنوری۔ خلوت گزین سرادق نکتہ پروری۔ زیب النساء بیگم متخلص بہ "مخفی" بذریعہ وواسطہ حافظ محمد عبد الستار خان سلمہ الواہب حسب فرمائش مخدومی معظمی محمد عبد الرحمٰن

خانصاحب زینت اللہ المفاخر والمناصب مہتمم مطبع نظامی مشہور واقع کانپور در شہر ربیع الاول ۱۲۸۳ھ در مطبع گلزار اودھ بہ اہتمام خدابخش خان سوائے سرجنا اول مطبوعہ گردیدہ مرتب وکامل شد۔

اس عبارت سے پایا جاتا ہے۔ کہ یہ نسخہ مذکورہ بالا ہردو مطابع میں مشترک طور پہ طبع ہوا ہے۔ اسکا خط پاکیزہ ہے۔ اور کاغذ کشمیری مضبوط لگایا گیا ہے۔

اگرچہ اور نسخہ جات کا عام طور پر پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اسمیں شک نہیں۔ کہ اسکی بہت سی نقلیں کیگئی ہونگی۔ اور کئی ایڈیشن چھاپے گئے ہونگے۔ مگر مغرب میں۔

انگریزی سیاح ایسی اشیاء کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایشیا سے یورپ لیجاتے۔ اور اپنے میوزیم اور لائبریریوں کو اُن سے زیب وزینت دیتے ہیں۔

کیا دیوان مخفی شہزادی کا دیوان نہیں

ہم اس جگہ دیوان مخفی کا انتخاب دینا چاہتے ہیں۔ کلام مخفی پر کسی قسم کی رائے ظاہر کرنا مقصود ہے۔ بلکہ ہمکو اسوقت اسبات کی تحقیقات کرنا ہے۔ کیا دیوان مخفی جو طبع ہوچکا ہے اور ہندوستان میں اسوقت بھی دستیاب ہوتا ہے۔ آیا شہزادی نواب زیب النساء کے کلام کا مجموعہ ہے یا کیا۔

مذکورہ بالا مسئلہ میں لوگوں کی رائیں ہیں۔ ایک فریق اسے زیب النساء کا کلام بتاتا ہے۔ اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ نہیں۔ یہ کلام شہزادی کا کلام نہیں۔ اب ہمارا یہ کام ہونا چاہیے۔ کہ انصاف کی ترازو میں ان دونوں فریقوں کے بیانات کو نہایت متانت اور راستی کیساتھ کانٹے کی تول تولیں۔ اور نہایت تسلی بخش فیصلہ صادر کریں۔

دوسرا فریق جو دیوان مخفی کو زیب النساء کا کلام تسلیم نہیں کرتا۔ اپنے دلائل حسب ذیل قایم کرتا ہے۔

(۱) زیب النساء پڑھی لکھی تو بیشک تھی۔ اور شعر بھی کہتی تھی۔ مگر نہ ایسی کامل فن کہ دیوان مخفی اسکا دیوان تسلیم کیا جائے۔

(۲) دیوان مخفی ایک ایرانی استاد معروف بہ رشتی کا کلام ہے۔ نہ کہ زیب النساء کا بیرواسطے بنے کار پردازان مطبع منشی نولکشور کی۔ چنانچہ دیوان مخفی مطبوعہ نولکشور پریس

لکھنؤ کے آخری صفحہ پر جو ساتواں ایڈیشن ہے۔ عبارت ذیل تحریر ہے۔
دریں ایام خجستہ آغاز ہمایوں انجام (کلام) بلاغت نظام شاعر عالی مقام وسخنگوئے فلک احتشام۔ سرآمد شعرائے نامی صاحب زبان تخلص رشتی معروف بہ دیوان مخفی کہ بہ سبب مرغوبی کلام تاہنگام بہ ہزاران خواستگاری مشتاقان زیں پیشتر ششش بار در لکھنؤ طبع برگرفتہ بود۔ حالا ہماں سلسلہ آئین آرائش پذیرفتہ آویزہ گوش روزگار گردید۔
(۳) ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ کہ مخفی محمد شاہ رنگیلے کی کسبی کا نام ہے۔ اور یہی اسکا تخلص۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ یہ کسبی اصل میں یوروپین تھی۔ ایک ایسی گھم گھمالی گون میں اپنا جسم لپیٹے رکھتی تھی۔ اور ایک نقاب میں اپنا چہرہ چھپائے رکھتی تھی۔ کہ اسکا نام ہی محمد شاہ نے مخفی رکھدیا۔ یہ عورت شہر سورت میں پیدا ہوئی تھی۔ جہاں اسکے والدین نے یوروپ سے آکر اقامت اختیار کر لی تھی۔ یہ لوگ سوداگر تھے۔ اور سوداگری کی چیزیں لاکر دربار شاہی میں باریاب ہوتے تھے۔ اس عورت کی خواہش تھی۔ کہ میں محمد شاہ کی بیگم بنجاؤں۔ اور آخر کار اپنے ارادے میں کامیاب ہوگئی۔ محمد شاہ نے جب اسکو دیکھا۔ پہلی ہی نظر میں لٹو ہوگئے۔ اور حرم میں داخل کرلیا۔ یہ غیر معمولی طور پر حسین تھی۔ اور فارسی زبان پر اسقدر قادر ہوگئی تھی۔ کہ گویا یہ زبان اسکی مادری زبان ہے۔ اسکا نام تو کچھ اور تھا۔ مگر حرم میں داخل ہو کر مخفی پڑ گیا تھا۔ اسکا ذہن رسا اور طبیعت تیز تھی۔ اثر صحبت سے اشعار بھی موزوں کرنے لگی۔ چونکہ یہ ناچتی۔ گاتی اور سارنگی وطبلہ بجاتی تھی۔ گاہے گاہے ساقی کا عہدہ بھی اسکے سپرد ہوجاتا تھا۔ اسلئے گو وہ حرم میں رہتی تھی۔ لیکن بیویوں کی فہرست میں اسکو نہیں شمار کیا گیا تھا" وغیرہم "یہ بیان ہے مرزا حیرت کا۔
(۴) دیوان مخفی جو چھپ کر شایع ہوچکا ہے۔ یہ زیب النساء بیگم کا نہیں۔ کیونکہ کسی تاریخ یا تذکرہ میں اسکے تخلص دیوان کا ذکر نہیں۔ اسکی تائید میں کہنے والا کہتا ہے۔ کہ مولوی غلام علی آزاد صاحب تذکرہ ید بیضا اپنے دیسی تذکرہ میں لکھتے ہیں۔ کہ "ایں دو بیت از نام او مسوع شدہ" اسکے نیچے دو اشعار نقل کئے ہیں۔ قائل نتیجہ نکالتا ہے۔ کہ اگر اسکا دیوان ہوتا۔ تو وہ صرف دو شعر کا ذکر کیوں کرتے۔ علاوہ اسکے اس بیان کی تائید دہ ایک اور حوالہ سے کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے۔
کہ "احمد علی سندیلوی کی تصنیف سے ایک تذکرہ ہے۔ مخزن الغرائب نام۔ اسکے مصنف نے نہایت کثرت سے نئے وپرانے فارسی تذکرے بہم پہنچا کر انسے حالات و اشعار انتخاب کئے چنانچہ زیب النساء کے حال میں لکھتے ہیں۔ کہ "اما دیوان اشعار جائے بہ نظر نیامدہ۔ مگر در تذکرہ انتخابش بہ نظر آمدہ۔

لیکن اعتبار نہ شاید سبب آنکہ اکثر شعرا را ساتذہ صاحب آں تذکرہ بنام بیگم نوشتہ بود۔

مولانا شبلی نعمانی جن کی رائے کا خلاصہ اس نمبر میں بیان نہیں کیا گیا ہے۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ "اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ وہ شاعرہ تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسکا کلام ضائع ہو گیا ہے۔

آؤ اب ہم ان مذکورہ بالا چاروں بیانوں پر تنقیدی نظر ڈالیں۔ اور اصول روایت و درایت کے کانٹے میں ان کا وزن کریں۔

نمبر اوّل میں شہزادی کو "خواندہ اور شاعرہ تو مانا گیا ہے۔ لیکن بوجہ اسکے کہ دیوان مخفی استادانہ کلام ہے۔ اسے کلام زیب النساء تسلیم کرنے سے انکار ہے"

یہ اعتراض اسی قسم کا اعتراض ہے۔ جیسا کہ اولڈ فیشن خیال کے لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ جناب عورتیں کس طرح مردوں کے برابر ہو سکتی ہیں۔ وہ تو ناقص العقل پیدا کی گئی ہیں۔ انکے دل و دماغ جوہر عقل سے عاری ہیں۔ انکے حق میں ہی بہتر ہے۔ کہ انہیں جہالت کے کمرہ میں بند رکھا جائے۔ انہیں تعلیم دینا دیوانہ کے ہاتھ میں چھری دینے سے کم نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن مشاہرہ لیکن مشاہدہ اور تجربہ یہ کہتا ہے کہ ان میں سے ایک بھی بات راستی کے قریب نہیں۔ عورتیں بیشک مردوں کی برابری کر سکتی ہیں۔ ہرگز وہ ناقص العقل نہیں۔ انکے دل و دماغ بھی تعلیم و تربیت سے ویسے ہی روشن ہو سکتے ہیں۔ جیسے کہ مردوں کے۔ یہ مردوں کی جہالت ہے۔ کہ انکی تعلیم کو دیوانہ کی چھری بتلاتے ہیں۔ یورپ جا کر ملاحظہ فرمائیے۔ کونسا کام باقی رہ گیا۔ جو عورتیں نہیں کرتیں۔ دوکانداری۔ کلرکی۔ گھڑ سواری۔ معلمی۔ غرضیکہ ہر ایک کام نہایت خوبی سے انجام دیتی ہیں۔ عورتیں شہر اغرسانی تک کرتی ہیں۔ اور بعض وقت تو مردوں کے بھی کان کتر جاتی ہیں۔

پس اس منطق کا وزن کیجئے۔ کہ "چونکہ کلام مخفی اعلےٰ درجہ کا ہے۔ اس لئے وہ کلام زیب النساء نہیں ہو سکتا۔ یہ وہی بات ہے۔ جیسے کوئی کہے۔ کہ نورجہاں۔ رضیہ بیگم۔ سیتا جی۔ پدمنی چونکہ عورات تھیں۔ لہٰذا ہم ان کے اوصاف کے قائل نہیں۔ جو انسے منسوب کئے جاتے ہیں۔ لیکن نہیں ایسے اصحاب سے شاکی ہونے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔ کیونکہ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

پھر مزہ کی بات یہ ہے کہ باوجود شہزادی کے خواندہ اور شاعرہ تسلیم کرنے کے اس کے دیوان سے انکار ہے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں اثبات دعوےٰ کی ممد ہیں۔ دیکھئے اس گئے گذرے زمانہ

میں بھی شاعرہ اور مضمون نگار عورتیں پائی جاتی ہیں۔ پس ایک عظیم الشان شہزادی کا صاحب دیوان ہونا کیا کوئی حیرت کی بات ہے۔ جبکہ ہمکو یہ تسلیم ہے کہ اسکی تعلیم بھی نہایت اعلےٰ پیمانہ پر ہوئی تھی

دوسرے نمبر میں کہا گیا ہے۔ بات بھی وہی ہے۔ جو پہلے نمبر میں بیان ہوئی ہے۔ اسکی تہ کے اندر بھی وہی اصول پوشیدہ ہے۔ کہ چونکہ یہ کلام اعلےٰ پایہ کا ہے۔ اسلئے وہ ایک ناقص العقل عورت کا کلام نہیں ہو سکتا۔ اسکے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے۔ کہ وہ رشتی ایرانی کا کلام ہے۔ جس اصول پر اسے زیب النساء کا کلام نہیں مانا جاتا۔ اسکی تنقیح تو ہمنے اوپر بخوبی کر دی ہے۔ لہذا آپ اسپر مکرر نظر ڈالنا تحصیل حاصل ہوگا۔ لیکن ہمیں اسبات کا پتہ لگانا ضروری ہے کہ کیا یہ ایک ایرانی شاعر کا کلام ہے۔

ہمیں افسوس ہے کہ کارپردازان مطبع نے اس دیوان کو رشتی کا کلام تو بتلایا تھا لیکن اسکا ثبوت کوئی بھی نہیں دیا گیا۔ دعوے بے دلیل نہیں۔ اگر وہ سچے تھے۔ تو انہیں اسکا ثبوت پیش کرنا تھا۔ بات یہ ہے کہ انکے پاس اسکی کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔ اور دعوے بے دلیل کا وزن ناظرین خود کر سکتے ہیں۔

پھر یہ بات کیسی مہمل ہے کہ "دیوان مخفی" "دیوان رشتی" ہے۔ اگر شاعر کا تخلص رشتی تھا تو پھر مقطعوں میں مخفی کیوں لایا گیا۔ اور اگر یہ کہا جائے۔ کہ دونوں تخلص اسی کے تھے۔ تو یہ بھی درست نہ ہوگا۔ کیونکہ دیوان مخفی اوّل سے آخر تک پڑھا جائے۔ کہیں رشتی تخلص نہ آئیگا۔ جہاں آئیگا مخفی ہی آئیگا۔ مرزا نوشہ پہلے اسد تخلص کرتے۔ بعد میں غالب اختیار کیا۔ انکا دیوان دیکھو پرانی غزلوں میں پہلا اور نئی غزلوں میں دوسرا تخلص موجود ہے۔ بعض اوقات ایک شاعر ایک ہی وقت میں دو تخلص بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اور اسکی شہادت ہمارے پاس موجود ہے۔ لیکن اسکی وجہ کوئی نہ کوئی ضرور ہوتی ہے۔ یادش بخیر سید مرتضیٰ میر بھی دو تخلص کرتے تھے۔ بیان اور یزدانی۔ لیکن التزام یہ تھا کہ اردو کلام میں اوّل الذکر اور فارسی کلام میں ثانی الذکر لاتے تھے۔ اور ہمیشہ یہی قاعدہ رکھا۔ لیکن مو رشتی کے متعلق ایسا نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اسکی شاعری صرف ایک زبان میں ہی تھی۔ اسلئے مخفی اور رشتی کا ایک ہی ہونا کوئی عاقل دماغ تسلیم نہیں کر سکتا۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ دیوان مخفی کلام رشتی نہیں۔ یہ محض یار لوگوں کا فقرہ ہے جب دیوان رشتی کا تو ہو نہیں سکتا۔ اور اسکے مقابلہ میں ہنوز کسی نے کوئی اور نام پیش کیا۔ تو لامحالہ۔ وہ محض کلام زیب النساء ہی ہو سکتا ہے۔

اب ہم تیسرے اعتراض کا وزن کرتے ہیں۔ ناظرین کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ خیال کس

جدت طراز طبع کی ایجاد ہے۔ اگر آپ کو معلوم نہیں تو ہم بتلاتے ہیں۔ یہ مرزا حیرت کا حیرت انگیز خیال ہے جو بالکل اسکے مصداق ہے۔ کہ "ایجاد بندہ اگرچہ گندہ" کون مرزا حیرت۔ وہی نا جنکو حضرت امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت سے انکار ہے۔ اور (لعنت اللہ علی الکاذبین) امام صاحب کا فرار ہوجانا اور قسطنطنیہ انکے مزار کی موجودگی بیان فرماتے ہیں۔ وہی مرزا حیرت جو آئے دن ایک نہ ایک نیا شوشہ گھڑ لیا کرتے ہیں۔ تاریخی واقعات کی تصنیف تو انکے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔ جسکی تفصیل ناظرین نے اخبارات میں ملاحظہ فرمائی ہوگی۔ ان باتوں سے لکھنے والے کی پوزیشن اور صداقت بیانی کا اندازہ کر لیجیے۔ مرزا صاحب کو بھی دیوان مخفی کے کلام زیب النسا ہونے سے انکار ہے۔ اور اسکے مقابلہ میں وہ اس دیوان کو ایک کسبی کا دیوان بتاتے ہیں۔ غضب ہے کہ ایک اہل زبان۔ تعلیمیافتہ شہزادی جسکی تعلیم و تادیب اعلےٰ پیمانہ پر ہوئی ہو۔ اور جسکی اُستادی کا فخر بڑے بڑے یگانہ روزگار فضلا اور عالی مرتبہ شعرا کو حاصل ہو۔ وہ شہزادی جسکا باپ شہنشاہ اورنگ زیب ایک فاضل اور علم دوست حکمران ہو جسکی دادی نورجہاں نے اپنی قابلیت کا سکّہ تمام ہندوستان پر بیٹھا دیا ہو۔ وہ تو صاحب دیوان نہ ہوسکے۔ مگر بقول قایل ایک یوروپین نژاد کسبی جسکی زبان میں بعد المشرقین ہو۔ وہ ہندوستان میں آکر رہے۔ شہر صورت اسکا مستقر ہو۔ وہ محمد شاہ رنگیلے کی بغل گرم کرے۔ گائے۔ ناچے۔ اور جسکی اثر صحبت سے اُسپر ایسا جادو ہوجائے۔ کہ اشعار موزوں کرنے لگے۔ صاحب دیوان ہوجائے۔ اور دیوان بھی کیسا۔ دیوان مخفی جیسا۔ کہ جو شہزادی زیب النسأ جسکی مادری زبان فارسی تھی۔ اسکا نہیں ہوسکتا۔ مگر اور کسی کا ہوسکتا ہے۔ ذرا اُن متضاد بیانات کا وزن کیجیے۔ کیا اس راستی میں ذرہ برابر کذب کا بھی پتہ لگتا ہے۔ بالکل وہی بات ہے۔ کہ جو ایک من اناج میں انتالیس سیر کوبر۔ باقی آٹا ہی آٹا۔ اسی طرح اس بیان میں جھوٹ اور سچ کی نسبت ہے۔ بلکہ راستی کو اسمیں اسقدر دخل دینا بھی مبالغہ سے خالی نہ ہوگا۔ ع

به بیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

اب ہمکو نمبر ۲ پر نظر ڈالنی ہے۔ اور یہاں ہمیں ذرا متانت اور مستقل مزاجی سے کام لینا ہوگا۔ کیونکہ ہمارا مدمقابل کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ اور پھر وہ میدان میں بھی اسلحہ زیب تن کرکے آیا ہے۔ اس لئے ہمیں زیادہ مستعدی کی ضرورت ہے۔

پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ کسی تذکرے سے زیب النسا کے دیوان اور تخلص کا پتہ نہیں لگتا گویا اسی بنا پر دیوان مخفی کے کلام زیب النسا ہونے سے انکار کیا جاتا ہے لیکن یہاں اس بات کو نظر انداز

کر دینے کی کوئی وجہ نہیں۔ کہ جس زمانہ کے یہ واقعات ہیں۔ اسوقت تاریخ یا سوانحعمری ان اصولوں پر نہیں لکھی جاتی تھی جس پر کہ آج اُنیسویں صدی میں کاربند ہونا گویا اشد ضروری سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ نہایت وثوق کیساتھ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں بیوگرافی کا رواج ہی نہ تھا۔ اگر ایک دو تذکروں کو چھوڑ کر نظر ڈالی جائے۔ تو معلوم ہو کہ جن اساتذہ کے طول طویل دیوان ہمیں ملتے ہیں۔ اُنکی سوشل زندگی کا ایک ... بھی معلوم نہیں ہوتا۔ خود مولانا شبلی اسبات کے اپنے آرٹیکلوں میں شکوہ سنج رہتے ہیں۔ پس جب یہ حال ... تو تذکرات میں دیوان اور تخلص کا ذکر نہ ہوتا۔ اسبات کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ کہ ان دونوں کے وجود سے بھی انکار کیا جائے۔ مگر مولانا یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ وہ شاعرہ تھی۔ اور اچھی شاعرہ تھی۔ لیکن معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسکا کلام ضایع ہو گیا۔ گویا مولانا کو اسکے صاحب دیوان ہونے سے انکار نہیں۔ بس اتنی بات ہے۔ کہ وہ دیوان مخفی کو دیوان زیب النساء تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔ مگر مولانا نے یہ نہ بتایا۔ کہ پھر آخر دیوان مخفی کس کی تصنیف ہے۔ افسوس ایسے اہم مسئلہ میں مولانا کا صرف اسقدر تحریر کر دینا کہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسکا کلام ضایع ہو گیا۔ موجب تسکین نہیں ہو سکتا۔ پھر جب ہم دیکھتے ہیں۔ کہ تاریخی تحقیقات میں مولانا کا کس قدر پایہ بلند ہے۔ تو ہمیں اور مایوسی ہوتی ہے۔ اور کئی ضمنی سوالات قابل حل رہ جاتے ہیں کہ (۱) دیوان مخفی دیوان زیب النساء کیوں نہیں۔ (۲) جب وہ صاحب دیوان تھی۔ تو موجودہ دیوان۔ اسکا دیوان کیوں نہ سمجھا جائے۔ (۳) اسکے اصلی کلام کے ضایع ہونے کا تاریخی ثبوت کیا ہے۔ کیا ہم اُمید کریں۔ کہ ہمارے فاضل مولانا ان باتوں پر غور کرنے کی تکلیف گوارا فرمائینگے۔ اور اپنی معرکتہ الآرا تحقیقات سے پبلک کو فائدہ پہنچائینگے۔ دوسری بات قابل توجہ مولانا غلام علی آزاد صاحب تذکرہ بیضا کا بیان ہے۔ جو تحریر فرماتے ہیں "این دوست از نام او مسموع شدہ" اور وہ دونوں اشعار یہ ہیں:-

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نشد	کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد
صد بہار آخر شد و ہر گل بہ فرقے جا گرفت	غنچہ باغ دل از زیب دستارے نشد ۵

آزاد نے صرف مذکورہ بالا دو اشعار سُنے۔ یہ بیان بہت صاف ہے۔ مگر اس سے زیب النساء کے دیوان یا اور کلام کی نفی مطلق لازم نہیں آتی۔ کیونکہ وہ اسبات کا تذکرہ نہیں کرتے۔ کہ شہزادی کا ... کلام یا دیوان سرے سے ہی نہیں۔ بلکہ وہ بیچارہ تو اپنی محدود معلومات کا سادگی سے اعتراف کرتے ہیں اب اس بیان سے جو کوئی یہ نتیجہ اخذ کرے۔ کہ واقعی ان الفاظ سے دیوان و کلام کی نفی مطلق ہوتی ہے۔

۵ کہتے ہیں کہ شہزادی کے کسی دل چلے ہمعصر شاعر نے اس پر مصرعہ "پیر شد زیب النساء لیکن خریدارے نشد" لگا کر اسکو مخمس کر لیا تھا۔

تو ناظرین ایسے شخص کی نسبت شاید مجھ سے بہتر رائے قایم کر سکتے ہوں۔

تیسری بات جس پر اعتراض کی بنا کو مضبوط بنایا گیا ہے۔ یہ ہے کہ صاحب تذکرہ مخزن الغرائب اپنے اس تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "اما دیوان اشعار بہ نظر نیامدہ۔ مگر در تذکرہ انتخابش بہ نظر آمدہ۔ لیکن اعتبار را نہ شاید بسبب آنکہ اکثر شعرا اساتذہ آں تذکرہ بنام بیگم نوشتہ بود"

ترجمہ:- (یعنے) اسکے اشعار کا دیوان نہیں دیکھا۔ مگر تذکرہ میں کلام کا انتخاب تاہم یہ قابل اعتبار نہیں۔ کیونکہ اکثر دہ شعرا جنکا کلام اس تذکرہ میں درج ہے۔ بیگم کے نام پر لکھتے تھے۔

اس عبارت سے کئی باتوں کا پتہ چلتا ہے۔ اوّل یہ کہ صاحب تذکرہ نے بچشم خود دیوان نہیں دیکھا۔ مگر خیال رہے کہ ان الفاظ سے بھی نفی مطلق نہیں ہوتی۔ بلکہ ٹپکتا ہے کہ اس دیوان کا چرچا اُس زمانہ میں ضرور تھا۔ یہ اور بات ہے۔ کہ صاحب مخزن الغرائب اُسے نہ مانیں۔

دوسری بات جو اس بیان سے معلوم ہوتی ہے۔ قرینہ سے نہیں۔ بلکہ صاف طور سے بلا اشتباہ کہ مولوی احمد علی صاحب نے "کلام کا انتخاب بچشم خود دیکھا۔ اور اس سے ہمارے خیال کی تائید ہوتی ہے۔ تیسری بات انکار کا سبب ہے۔ یعنی یہ کہ چونکہ اکثر شعرا شہزادی کے نام پر اشعار لکھتے تھے۔ اسلئے یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ کہ وہ اشعار زیب النسا کے ہیں"

یہ وجہ بظاہر تو معقول معلوم ہوتی ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ جس مطلب کیلئے یہ اسلحہ استعمال کیا گیا۔ اس کیلئے یہ کہاں تک کارآمد ہو سکتا ہے۔

ناظرین نے انہیں اوراق میں بیاض گم ہو جانے اور اسپر قطعہ لکھکر شہزادی کے پیش ہونے کا واقعہ پڑھا ہوتا۔ مطلع سے لیکر مقطع تک ایک ایک لفظ کو جانچو۔ تو پھر کہو بھلا کہیں بھی اس میں اشتباہ ہوتا ہے۔ کہ یہ قطعہ زیب النسا کا کہا ہوا ہے۔ بلکہ صاف پایا جاتا ہے۔ کہ وہ معذرت خواہی کی غرض سے شہزادی کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا پھر طرز کلام دیوان مخفی سے کسقدر مختلف ہے۔ اور وہ ایک خاص امتیاز اور حد فاصل قایم کر رہا ہے۔

اب ان باتوں پر یکجائی طور پر نظر ڈالیئے۔ تو کیا یہ نتیجہ نہیں نکلیگا۔ کہ مختلف شعرا کے کلام ایک رنگ اور ایک طور کا جیسا کہ دیوان مخفی ہے نہیں ہو سکتا۔ مختلف شاعر سب کے سب مخفی تخلص اختیار کر سکتے ہیں جیسا کہ اس دیوان کے ہر ایک مقطع میں موجود ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ دیوان مخفی کا مصنف ایک ہی شخص ہے۔ اور وہ زیب النسا کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔

ایک سب سے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اعتراضات کا جواب ہے۔ گویا جو الزامات تھے انکو سر سے

اُتارا گیا ہے۔ کیا ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتے۔ کیا ہم اپنے اثبات دعوے کیلئے اس سے زیادہ قوی دلائل نہیں لاسکتے۔ اچھا دور کیوں جائیں آؤ دیوان مخفی سے ہی اسکی کیوں نہ شہادت لیں۔ شئے متنازعہ فیہ اپنے مالک کا پتہ عمدگی کیساتھ بتا سکتی ہے۔ اور اسکی شہادت قابل وثوق بھی ہوتی ہے۔

اب ہم دیوان مخفی پر ایک سرسری نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ اور یہ تلاش کرتے ہیں۔ کہ اسکو شہزادی زیب النساء کیساتھ کیا تعلق ہے۔ اور کیا وہ تعلق مالک و مملوک کا تعلق ہوسکتا ہے۔

پہلی شہادت قطعہ ذیل اُسی دیوان میں موجود ہے جسے رشتی شاعر یا درکسی مرد شاعر کا بتایا جاتا ہے لیکن تعصب سے علیحدہ ہوکر غور کیجیے۔ کہ کیا ایک شاعر مرد ہوکر اپنے آپ کو دختر شاہ کہہ سکتا ہے۔ اور کیا ایک مرد اپنے حسن وجمال کی پردہ داری کرسکتا ہے۔ کیا وہ اسطرح اپنے پردہ کا نقشہ دکھا سکتا ہے۔ قطعہ ملاحظہ ہو۔ ؎

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا		بُت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا
ہمچو بو پنہاں شدم در برگ گل مانند گل		ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

کہتے ہیں کہ کسی شہزادے نے زیب النساء کے مقابلہ میں طرحی غزل کے اندر یہ شعر پڑھا۔ کہ ؎

ترا اے مہ جبیں بے پردہ دیدن آرزو دارم

جمالت اے حسنت را رسیدن آرزو دارم ۔

جسکے جواب میں شہزادی نے مذکورہ بالا قطعہ پڑھکر جواب دیا۔ یہ قصہ خواہ غلط ہو یا صحیح ہمیں اس سے اس مقام پر بحث نہیں۔ لیکن یہ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ اس قطعہ کا لکھنے والا شہزادی زیب النساء کے سوائے کوئی اور ہوسکتا ہے۔ قطعہ خود پکار رہا ہے۔ کہ میں زیب النساء کی زبان اور اسکی حالت کا نقشہ ہوں۔ کسی شاعر کی کیا مجال۔ کہ وہ تمام اوصاف اپنے آپ میں جمع کرکے دکھائے۔ پس یہ کلام اور وہ تمام جسکے ساتھ یہ قطعہ آیا ہے۔ اُسی علم دوست شہزادی کا ہے۔ جسکا تذکرہ لکھنے کا آج ہم بھی فخر حاصل کررہے ہیں۔

دوسری شہادت شہزادی فرماتی ہیں۔ اور کیا صاف فرماتی ہیں۔ بجائے تخلص کے پورا نام لاکر کمال فن کا اظہار کیا ہے۔ کہتی ہیں۔ کہ ؎

دختر شاہم ولیکن رو بہ فقر آوردہ ام

زیب و زینت بس ہمینم نام من زیب النساء است

دیکھو اور غور سے دیکھو۔ بالکل اپنی حالت اور جذبات دلی کا نقشہ کھینچدیا ہے۔ دختر شاہ ہونے

سے کون انکار کرسکتا ہے۔ مگر شہزادی کی طبیعت پر جو سادگی اور دنیا کی بے ثباتی کا نقش بنگیا تھا وہ بھی اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ تذکروں سے پایا جاتا ہے کہ زیب النساء نہایت سادہ اور عموماً سفید لباس پہنتی تھی حتٰی کہ عین عالم شباب میں بھی یہی رنگین لباس بہت کم استعمال کیا ہے۔ ایسی حالت کا نقشہ کھینچتی ہیں۔ کہ منزیب و زینت یہی کافی ہے۔ کہ میرا نام زیب النساء ہے۔ اور بس! کیا اس سے بڑھکر کوئی اور صاف شہادت ہوسکتی ہے تخلص کی بجائے پورا نام موجود ہے۔ متقدمین اکثر بجائے تخلص کے پورا نام لانا کمال فن سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے ممکن ہے۔ کہ شہزادی نے پورا نام لانے کی کوشش کی ہے۔

تیسری شہادت حافظ کی غزل پر ایک تضمین لکھی ہے۔ اور خوب لکھی ہے۔ پوری تضمین تو انتخاب کلام میں ملاحظہ فرمائیے۔ فی الحال ایک بند ملاحظہ ہو جسکا درج کرنا اس جگہ مفاد سے خالی نہ ہوگا۔ فرماتی ہیں۔ کہ ؎

عاشق نشان داغ خود از داغ لالہ خواست
مخمور نشد از مے صاف و پیالہ خواست
زیب النساء مراد خود از آہ و نالہ خواست
زاہد شراب کوثر و حافظ پیالہ خواست
تا در میانہ خواستہ کردگار چیست

کیا کوئی صاحب دل و دماغ کہہ سکتا ہے۔ کہ اس مخمس کا لکھنے والا زیب النساء کے سوا کوئی اور ہے۔ اور اگر با این ہمہ کوئی دل ہٹ دھرمی پر آجائے۔ تو ہم اسکے دل و دماغ کے افعال کے ذمہ دار نہیں اسکو اس سے قبل کہ اسبابہ میں رائے زنی کرے۔ اوّل کسی طبیب یا ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہیئے۔

اہل نظر غور سے ملاحظہ فرمائیں۔ اشعار ذیل سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ کلام کسی عظیم الشان شخص کا ہے۔ نہ کہ کسی معمولی آدمی کا۔ ؎

گرچہ من لیلیٰ اساسم دل چو مجنوں در ہوا است
سر بصحرا مے رسم لیکن حیا زنجیر پا است

اس شعر سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاعر ایک حسین اور ذی رتبہ عورت ہے۔ ؎

بادشاہ حسن آخر شد اسیر قید زلف
نیزہ موئے آفتاب و در بدام مو گرفت

شاعرانہ لطائف و نکات

ایک روز صبح کا سہانا وقت تھا نسیم کے ہلکے ہلکے جھونکے ایک طرف زلف سنبل کو پریشان

کلئے دیتے تھے۔ تو دوسری طرف کھلے ہوئے پھولوں کو گدگداتے تھے۔ اسوقت شہزادی زیب النسار مصروف سیر چمن میں اسکے ساتھ انکی ایک خواص آمانی تھی۔ شہزادی نے اسی وقت مصرعہ کہا۔ ع

اے امانی گل صد رنگ چہ را مے خندد

موزوں کر کے گویا امانی سے جواب طلب کیا تھا۔ کہتے ہیں۔ کہ یہ خواص بھی طبع موزوں رکھتی تھی۔ چند لحہ کے فکر کے بعد فی البدیہہ عرض کیا۔ ع

بر لقائے خود بر غفلت ما مے خندد

شہزادی نے فوراً سینے سے لگا لیا۔ اور اسکا منہ چوم لیا۔ اسکے اعزاز میں بہت افزونی کی۔

ایک بار مشاہرہ میں مصرعہ طرح۔ ع

"صبا را شرم مے آید بروئے گل نگہ کردن"

تجویز ہوا۔ بہت سے شاعروں نے تظمین کی۔ مگر شہزادی کی تظمین خصوصیت سے قابل داد ہے کہتی ہیں ؎

صبا را شرم مے آید بروئے گل نگہ کردن
کہ رخت غنچہ را نتواں زدن نتوانست تہ کردن

نقل کرتے ہیں۔ کہ ایک روز شہزادی کے دل پر ایک بکری کو دردزہ کی تکلیف میں مبتلا دیکھکر خاص اثر پڑا۔ اسکی طرف دیکھکر کہنے لگیں ؎

اے صدف تشنہ مے بود سوائے نیساں منگر
ہر یک قطرہ آب کہ شکم بشگافند

کہتے ہیں کہ ایک روز شہزادی باغ میں مصروف گلگشت تھی صبح کا ٹھنڈا وقت تھا۔ سبزہ پر نظر لوٹ ہوئی جاتی تھی پھول علیحدہ بہار دکھا رہے تھے۔ ایسے لطف میں شہزادی کی زبان سے بے ساختہ نکل گیا ؎

چہار چیز دل از غم برد۔ کدام چہار
شراب و سبزہ و آب روان و روئے نگار

شہزادی بار بار اس شعر کو پڑھتی تھی۔ اور مزے لیتی تھی۔ کہ ناگہاں شہنشاہ اورنگ زیب چپکے سے آموجود تھے۔ شہزادی کا وہ حال تھا کہ کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں۔ کیونکہ باپ کی متشرع طبیعت اور خشک مزاجی سے واقف تھی۔ مگر فوراً حواس درست کر کے مضمون شعر کو بدل دیا۔ اور اس طرح پڑھنے لگی ؎

چہار چیز ز دل غم بُرد کدام چہار
نماز و روزہ و تسبیح و توبہ استغفار

ایک بار مشاعرہ میں طرح ہوئی۔ ع
"در ابلق کسے کم دید موجود"

کئی شاعروں نے اسکو تضمین کیا لیکن حق تضمین پورے طور پر شہزادی نے ہی ادا کیا کہتی ہیں۔ ؎

در ابلق کسے کم دید موجود
مگر اشک بتاں سرمہ آلود

ایک روز شہزادی چمن میں جلوہ آرا تھی۔ کچھ دلمیں آیا۔ تو ایک نرگس کا پھول کلنی پر لگا لیا۔ اسپر ایک طبیعت دار خواص نے فی البدیہہ شعر ذیل پڑھ سنایا۔ ؎

نرگس زدۂ بر سر از شوق تو نرگس
خم کردہ سرِ خویش کہ رخسارِ تو بیند

شہزادی بھلا کب خاموش رہنے والی تھیں۔ فوراً موزوں کرکے جواب دیا۔ ؎

ایں نہ نرگس کہ تو دیدی بسرم دلبرِ من
بہ تماشائے تو بیروں شدہ چشم از سرِ من

ایک بار مشاعرہ میں یہ مصرعہ تجویز ہوا کہ ع

آتشِ حسرت ز ہجرت در دلِ بلبل گرفت

ملاحظہ کیجئے۔ کہ تضمین میں شہزادی نے کیا غضب کیا ہے۔ ؎

در چمن خار جفائیش ہمدمے با گل گرفت
آتشِ حسرت ز ہجرت در دلِ بلبل گرفت

نقل کرتے ہیں کہ ایک بازی گر دربار شاہی میں اپنے کرتب دکھا رہا تھا۔ اسکے بعد اسکی حسین بیوی کی باری آئی۔ یہ عورت بانس پر چڑھ گئی۔ اور اوپر قلا بازیاں کھانے لگی۔ حاضرین نقش دیوار بنگئے۔ اسوقت کسی شاعر نے یہ شعر فوراً موزوں کرکے بآوازِ بلند پڑھا۔ ؎

ایں لعبت بو العجب چو ماہے پیداست
یا تازہ گلِ برسرِ شاخِ رعناست

شہزادی بھی چلمن سے یہ تماشا دیکھ رہی تھیں۔ اس نے کہنے والے کا شعر بھی سنا۔

اور فوراً ایک اور شعر موزوں کرکے باہر بھجوادیا۔

بشنو نے غلط است کا فتاب محشر

برنیزہ بر آمد و قیامت برپاست

کہتے ہیں کہ کم سنی کے زمانہ میں کئی الڑھ لڑکیاں جمع تھیں۔ ان میں ایک شہزادی زیب النساء بھی تھیں۔ کمرہ کی دیوار میں ایک سوراخ تھا اس میں ایک لکڑی ڈالکر ادھر سے اُدھر کرتی تھیں۔ اور کہتی تھیں۔ اور بار بار نیمے درون نیمے برون کہکر قہقہہ لگاتی تھیں۔ اسی عالم میں اس طرف کو شاہجہاں (شہزادی کے دادا) بھی آ گئے لڑکیوں کو گھورنے لگے۔ شہزادی نے بہ ادب عرض کیا کہ

از ہیبت شاہجہاں لرزد زمین و آسماں

انگشت حیرت در دہاں نیمے درون نیمے برون

ذیل کے مصرعوں پر شہزادی نے کیا اچھے مصرعے لگائے ہیں۔ ناظرین غور سے ملاحظہ فرمائیں

مصرعہ ہائے طرح	مصرعہ ہائے تظمین
لخت لخت جگرم متصل آید بروں	گر مرا شعلہ آہے ز دل آید بروں

مصرعہ ہائے طرح	مصرعہ ہائے طرح
دلیراں را دلیری بعد مرداں بیشتر آید	کہ چرم گرگ شیر افگن پس از مردن پیر باشد

نقل کرتے ہیں کہ ایک بار شہزادی زیب النساء نے ایک لونڈی ملاں صاحب کے پاس بھیجی۔ کہ اسے اپنی خدمت میں رکھئے۔ مگر وہ کنیز ملاں صاحب کے مذاق کی نہ تھی۔ اسلئے ایک طویل قطعہ اسکی ہجو میں لکھکر شہزادی کے پاس بھجدیا۔ اور کنیز کو بھی واپس کردیا۔ اس قطعہ کا پہلا شعر یہ تھا۔

قدر دانشور شناسا۔ نور چشم عالما

اینکہ ہرگز قدرت ہم چشمیت ہوا نہ داشت

باقی اشعار بوجہ فحش ہونے کے نقل نہیں کیے گئے۔ کہتے ہیں۔ کہ اس قطعہ میں "قاب قوسین او ادنیٰ" کا قافیہ فحش موقعہ پر استعمال کیا گیا تھا۔ مگر یہ روایت نہایت کمزور معلوم ہوتی ہے۔ بزرگ ملاں اس قسم کی خفیف الحرکاتی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔ اور پھر وہ بھی اپنی آقا شہزادی کے سامنے۔

شہزادی کے ہمعصر شعراء

شہزادی کے کلام کا مقابلہ اسکے ہمعصر شعراء سے تو کسی دوسرے مقام پر کیا ہے۔ اب اہم

اس جگہ اُن کے حالات اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

ناصر علی سرہندی خاک پاک سرہند اں کا مولد تھا۔ علی تخلص کرتے تھے۔ شاعری والد سے میراث میں پائی تھی۔ مگر انہوں نے اس ترکہ کو بڑی ترقی دی۔ فارسی زبان انکے گھر کی لونڈی بن گئی تھی۔ حالانکہ یہ ہندی نژاد تھا۔ مگر خیال کے ایسے آزاد تھے۔ کہ تنگی۔ ترشی۔ محنت۔ فاقہ سب کچھ منظور۔ مگر مجال ہے کہ کسی امیر کی ڈیوڑھی تک چلے جائیں۔ امرا تمنّا ئیں کرتے تھے۔ آدمی بھیجتے تھے۔ مگر انکی آن بان ہی اور تھی۔ پھر صوفیانہ مذاق نے تو گویا ان کو فقیر ہی بنا دیا تھا۔ طبیعت بالکل بے نیاز واقع ہوئی تھی۔

نواب ذوالفقار خان اس عہد میں سرہند کے ناظم تھے۔ خود تو شاعر نہ تھے۔ مگر شعر و سخن کے رسیا بڑے تھے۔ یہ ہزاروں تدبیر کر چکے تھے۔ کہ گھڑی بھر کے لئے علی ان کے محل میں آکر کلام سُنا جائیں۔ مگر علی تو خدا کے ولی تھے۔ وہ کس کی سُنتے تھے۔

ان دنوں ایک اور شاعر جو "برہمن" تخلص کیا کرتا تھا۔ نوابصاحب کے دربار میں آیا تھا۔ نوابصاحب نے کہا۔ کہ کبھی کسی طرح علی کو لاؤ۔ چنانچہ وہ علیؔ کے جھونپڑے پر گیا پہلے ادھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ پھر شعر و سخن کا چرچا رہا۔ کچھ سنایا۔ کچھ سُنا۔ پھر اصل مطلب زبان پر لایا۔ میر صاحب انکار کرتے رہے۔ اور بار بار یہی کہا۔ کہ بابا میں فقیر ہوں۔ مجھے دربار سے کیا تعلق۔ مگر برہمن نے نہ چھوڑا۔ اپنے ساتھ لے ہی چلا۔ دربار میں پہنچے۔ تو نوابصاحب نے بڑی عزت سے ملاقات کی۔ مگر ابھی گفتگو کی نوبت نہ آئی تھی۔ کہ محل سے لونڈی نے آکر یہ منحوس خبر سنائی۔ کہ نوابصاحب کی اکلوتی بیٹی نے وفات پائی۔ انکو مجبوراً زنان خانہ میں جانا پڑا۔ گئے تو سہی۔ مگر میر صاحب کے بے نیاز مزاج سے واقف تھے۔ اسلئے اُلٹے ہی پاؤں واپس آئے۔ مگر میر صاحب اس سے پہلے ہی یہ جا وہ جا اور نخچو ہو گئے۔ نوابصاحب کی زبان سے بیساختہ یہی نکلا۔ کہ بھئی کوئی جانا۔ وہ تو میری خبر لے ڈالیگا۔ حضرت برہمن ہی میر صاحب کو مسلمان بنانے چلدیئے۔ دیکھا تو میر صاحب واقعی آستین چڑھائے ہوئے ہجو نویسی میں مصروف ہیں۔ حضرت برہمن بھی اپنے فن کے ایک ہی تھے۔ جھٹ انکے ہاتھ سے قلم لے لیا۔ اور کہنے لگے۔ چہ خوش! علی ہو کر ذوالفقار کی ہجو۔ میر صاحب اس فقرہ پر پھڑک اُٹھے۔ اور کہنے لگے۔ کہ مجھے مقدور نہیں۔ ورنہ تو جو مانگتا اسی وقت دیتا۔ اب بھی جو کچھ میرے قبضے میں ہے۔ اس سے دریغ نہیں۔ برہمن تو حرفوں کے بنے ہوئے تھے۔ کہ بس میرے ساتھ نوابصاحب کے دربار میں ایکبار اور چلیئے۔ اور اس ہجو کو مدح بنا لیجیئے۔ میر صاحب

مجبور ہوئے۔ اور ہجو کو پھاڑکر مدح لکھکر دربار میں پیش کی۔ نوابصاحب خوش ہو گئے۔ انعام و اکرام عطا کیا۔ مدحیہ قطعہ حسب ذیل ہے ؎

اے شان حیدری ز جبین تو آشکار — نام تو در نبرد کند کار ذو الفقار
دشمن کش جہانی و یک دست پروری — فتح و ظفر بہ بخت تو ہستند در قطار
تسخیر دوستان الہی نمودہ — اے نوبہار خلق تو بر بوئے گل سوار
مرغ دلم بہ نیم نگہ صید کردہ — اے طائران عرش خدنگ ترا سوار
ترسم کہ از بوئے فرقت جنوں شود — آں دل کہ تیرہ شد ز دلی من بمن سپار
ناصر علی تراز تو خواہد مراد بس — اے ابر فیض بہر ہمہ عالم گہر بہار

مرزا محمد علی صائب انہی ایام میں مرزا صائب ایران سے ہندوستان آئے۔ طبیعت اچھی پائی تھی۔ نواب ذوالفقار خان نے اپنی خدمت میں رکھ لیا۔ انکی علی کیساتھ چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ نوابصاحب نے محض اسی لئے ایران سے بلوایا تھا۔ کہ ناصر علی سے انتقام لیا جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دربار دہلی میں شہزادی زیب النساء کی سخن سنجی کی بدولت ملک الشعرائی کا عہدہ پھر بحال ہونیوالا تھا۔ شہنشاہ اورنگ زیب اگرچہ موسیقی کیطرح شاعری کو بھی دربار سے رخصت کرچکا تھا۔ مگر اپنی عزیز بیٹی کی خاطر پھر آہستہ آہستہ تلاش کیا جانے لگا۔ اور یہ مژدہ جانفزا سنکر ایران سے کشمیر سے اور ہندوستان کے مختلف حصص سے شعرا دہلی کی طرف آنے لگے۔ نواب ذوالفقار خان کی سفارش سے برہمن اور ناصر علی بھی دربار میں طلب ہوئے۔ اول برہمن کو غزل سنانے کا حکم ہوا۔ اس نے تعمیل کی جب مقطع کا شعر پڑھا کہ ؎

مرا دلے است بکفر آشنا کہ چندین بار
بکعبہ بردم و بازم برہمن آوردم

تو شہنشاہ کے تیور چڑھ گئے۔ اگرچہ یہ محض شاعرانہ خیال تھا۔ اور برہمن شعرا کی رعایت سے شعر نکالا گیا تھا مگر خوب نکالا گیا تھا۔ نہ کہ واقعات کو اس سے کوئی تعلق تھا۔ مگر عالمگیر جیسے پابند شریعت کی ذات سے یہ کب امید ہو سکتی ہے کہ ایسے کلمات کفر کو سنتا۔ اور خاموشی کیساتھ پی جاتا۔ برہمن کی غزل خوب اور تمام کی تمام صحیح لیکن شہنشاہ کبیدہ خاطر ہو گیا۔ اور اسکی طرف سے منہ پھیر لیا۔ کہتے ہیں۔ کہ عین اسوقت ناصر علی نے دست بستہ عرض کی کہ جہاں پناہ اگر برہمن بار دیگر ...

جانے کے برہمن ہی رہا۔ تو کون تعجب کی بات ہے۔ کیونکہ بقول سعدی ؎

خر عیسیٰ اگر بہ مکہ رود

چوں بیاید ہنوز خر باشد

اس لطیفہ میں شہنشاہ کو ہنسی آ گئی۔ اور برہمن کا قصور معاف ہو گیا۔

اسکے بعد میر صاحب کی غزل سنانے کا نمبر آیا۔ میر صاحب نہایت قادر الکلام تھے۔ اس لیے انکی غزل کا پُر زور رہنا ایک معمولی بات تھی۔ چنانچہ دربار والے انکے کلام کو مان گئے۔ کہتے ہیں کہ شہزادی نے اسمیں تامل کیا۔ چنانچہ اگلے روز اُسی ضمن میں غزل لکھکر سنائی تو دربار کے سامعین نے اسے میر صاحب کی غزل پر ترجیح دی۔

گو میر صاحب اُستاد تو مقرر نہ ہوئے۔ مگر اتنا فائدہ ضرور ہوا۔ کہ درباری شاعر مقرر ہو گئے۔ اور انکو معقول وظیفہ ملنے لگا۔ اجڑی ہوئی بزم سخن نئے سرے سے سرسبز ہو گئی۔ مشاعرہ قائم ہوا طرحی غزلیں لکھی جانے لگیں۔ اور آپس میں ہمعصرانہ چوٹیں ہونے لگیں۔ جنکے بغیر واقعی بزم سخن پھیکی رہتی ہے۔

ناصر علی۔ صائب۔ برہمن کے علاوہ اس دور میں اور بھی کئی اچھے شاعر تھے۔ جنکے مختصر حالات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ مگر یہ لوگ دہلی کے نہ تھے۔ بلکہ مختلف مقامات کے تھے جیسا کہ ان کے حالات سے معلوم ہو گا۔

ملاں طاہر المتخلص غنیؔ ملاں طاہر نام غنیؔ تخلص۔ وطن کشمیر۔ شیخ محسن فانی کے شاگرد رشید تھے۔ انکا کلام نہایت پُر زور ہے۔ اسلیے خوب سند قبولیت حاصل کی ہے۔ باوجود ہندی نژاد ہونے کے ایرانی شعراء نے بھی اُنکے کمال کو تسلیم کیا۔ اصل بات یہ ہے کہ اگلے بڑے انصاف پسند ہوتے تھے وہ خواہ مخواہ اپنی بات کے بلند کرنے کے درپے نہ ہوتے تھے۔ چنانچہ مرزا صائب جو بڑے طبیعت دار تھے۔ غنی سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ تمہارے ایک شعر کے عوض میں میں اپنا تمام دیوان دینے کو تیار ہوں وہ شعر یہ ہے کہ ؎ حسن سبز تو بخط سبز مرا کرد اسیر

دام ہمرنگ زمیں بود گرفتار شدم

نہایت عزت سے بسر کرتے تھے۔ مگر کشمیر سے قدم باہر نہ رکھا۔ دربار دہلی سے ہر چند طلبی ہوئی سیفخان حاکم کشمیر نے ہر چند منت و سماجت کی۔ مگر تو بہ لیش سے مس نہ ہوئے۔ اس سے کہدیا کہ شہنشاہ کو لکھدو۔ کہ غنی دیوانہ ہو گیا۔ اسنے کہا کہ مجھسے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ تجھسے عاقل شخص کو دیوانہ کہوں

حضرت نے یہ سنکر دیوانہ دار کپڑے پھاڑ دیئے اور کہا لو اب تو کچھ کسر باقی نہ رہی۔ گو وہ نہایت عسرت وتنگدستی سے بسر کرتے تھے۔ مگر طبیعت نہایت قناعت پسند لائے تھے۔ مرتے گئے مگر کبھی کسی امیر وزیر کی ڈیوڑھی نہ دیکھی۔ اللہ اللہ کیا آن بان والے لوگ تھے۔ شعر ذیل سے انکے اندرونی جذبات کا قدرے پتہ چلتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

فکر روزی بر نمیدارد مرا از جائے خویش
آبرو چوں شمع میریزم ولے بر پائے خویش

انکے انہیں خیالات کا یہ اثر تھا کہ مزاج حد درجہ کا آزاد ہو گیا تھا۔ زمانہ سازی نام کو نہ تھی۔ جوبات کہتے تھے۔ بالکل صاف بے لاگ لگاوٹ۔ راستی کا دامن ہرگز نہ چھوڑتے تھے۔ چنانچہ ناصر علی نے ایکبار اُن سے اپنے کلام کے متعلق دریافت کیا۔ کہ اسکی نسبت آپ کیا رائے رکھتے ہیں۔ تو آپ کے مندرجہ ذیل دونوں اشعار لکھکر حوالے کئے۔ اس سے زیادہ صفائی اور کیا ہو سکتی ہے۔

گر رتبہ شاعری خود بہ پُرسی ازمن	گویم سخن با تو	ہیچ اے کودن
بر بر درتے کہ کردہ مشق سخن	چوں لوح زباں شوی زآب دہن	

عاقل خان رازی یہ بھی شاہزادی کا ہمعصر شاعر تھا۔ مگر چونکہ اسکا قیام دہلی نہیں۔ بلکہ لاہور میں تھا۔ لہذا مشاعرہ میں شریک نہ ہو سکتا تھا جب باسی کوسی طرح پہنچتی۔ ہفتہ کے بعد غزل لکھکر بھیجتا۔ مگر وہ لطف کہاں۔ کسی اور مقام پر اسکے حالات ہمنے کسیقدر تفصیل کیساتھ لکھے ہیں۔ اس لیئے یہاں اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔

بہروز مذکورہ بالا شعرا کے علاوہ شہزادی کا ہمعصر ایک شاعر بہروز بھی تھا جس کے حالات باوجود تجسس کے ہمیں اس سے زیادہ نہ مل سکے۔ کہ وہ دربار دہلی میں موجود تھا طرحی غزلیں لکھتا تھا اور بس۔

نعمت خان عالی یہ بھی ہمعصر شاعروں میں سے تھا۔ مگر انہیں غزلیں لکھنے کا بہت کم اتفاق ہوا۔ معلوم ہوتا ہے۔ انکی ایک تضمین ملاحظہ ہو۔

ہلال عید چوں ابروئے آں دلبر نمے ماند
اگر ماند شبے ماند شب دیگر نمے ماند

ہمنے کسی دوسرے مقام پر شہزادی زیب النساء کے ہمعصر شعرا کا مقابلہ اسکے ہمعصر شعرا کے کلام سے کیا ہے۔ اسلیے ہم فی الحال اس عنوان کو بند کرتے ہیں۔ انکا ایک قطعہ کسی دوسرے موقع پر درج ہے۔ جو انہوں نے ابر کنے کے خیمہ کی تعریف میں لکھکر شہزادی زیب النساء کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اسکے

علاوہ اور اشعار بھی کسی اور جگہ تحریر کئے گئے ہیں۔

مرزا حیرت کی زٹل

(عذاب ثواب بہ گردن راوی) مرزا صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اُنسے از. جعفر زٹلی نے اپنا تخلص اپنا تخلص آپ رکھا تھا۔ مگر آگے چلکر لکھتے ہیں کہ شہزادی زیب النساء نے اُسے زٹلی خطاب دیا تھا جو حضرت نے بہت خوشی سے اسے قبول کر لیا۔ اور کہا یہ بڑے فخر کی بات ہے کہ میرے نام کے پیچھے بھی (زن) ہے۔ اور زیب النساء کے آغاز میں بھی۔

سو جعفر زٹلی کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے:

[illegible]	[illegible]
بہ فکر دقیق تو صد آفریں	بپیچیں تو ساکنان زمیں
تو ہم مفتی خوب سالک گہر	اگرچہ منم در زٹل نامور

معاصرین کے کلام سے مقابلہ

غزل زیب النساء

برون از شمع ... خوبان نقاب	... بر پائے تو سر آفتاب
در فراقت زندگانی چون کنم یا رب بگو	غم قوی گشت فزون دل ناتوان جانم خراب
خود گرفتم با غم عشق تو باید بعد ازیں	ہر نفس ساسے پو دہش تو در راہ حساب
کامرانی گر کنی عشقی شبانی عمر خویش	گریہ بجید نالہ بجید سینہ بریاں دل کباب

غزل میر ناصر علی سرہندی

بسکہ حیرت ریخت در پیمانہ حیرت شراب	چون شفق بر روئے گردون ماند لو آفتاب
مردمک از دیدہ بیرون آید از شوق رخت	رو بسوئے ما تا نگر دو خانہ مردم خراب
پردہ ہا سوئے دیدہ خواہم از مژہ بر داشتن	میتوان کردن تماشائے تو امشب بحجاب
ہر دل ریشم نمک از خندہ پاشیدن چرا	مرغ آتش خوار در آتش نخواہد شد کباب

اہل ذوق ملاحظہ فرمائیں۔ کہ مطلعے دونوں اپنے اپنے رنگ میں لاجواب ہیں ہر دو مضامین [illegible] ادا کیا ہے۔ اور "آفتاب" کا قافیہ مضمون میں لایا گیا ہے۔ شہزادی کے دوسرے

شعر میں نہایت زور موجود ہے۔ مگر علی کے دوسرے شعر کا مضمون اچھوتا ہے۔ ع

"مردمک از دیدہ بدست آید"

اور "مردم خطاب" پر غور کیجئے تیسرے شعر میں "حساب" کا قافیہ ناصر علی نے زیادہ خوبی سے چسپاں کیا ہے۔ چوتھا شعر جو شہزادی کا ساتع ہے۔ گو وہ خوبی میں کم نہیں۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ علی نے "کباب" کا قافیہ خوب باندھا ہے۔ اور مضمون میں نہایت دقت نظر اور نازک خیالی سے کام لیا ہے لیکن ہمیں یہاں یہ بات نظر انداز نہ کر دینی چاہیئے کہ ہم ایک عورت کے کلام کا مقابلہ ایک قادر الکلام اُستاد سے کر رہے ہیں۔ انصاف یہ ہے۔ کہ شہزادی کی نکتہ سنجی بہرحال قابل داد ہے۔

غزل زیب النساء

غم نیک شد ز دل اے دوستاں خدارا — شاید نہفتہ ماند ایں راز آشکارا
مارا چو موم بگداخت ایں آتش محبت — تا چند باشدت دل در سینہ سنگ خارا
مستی و تنگدستی بدنام خلق سازد — با طرز شہ چہ نسبت درویش بے نوا را
کشتی عمر بشکست در بحر نااُمیدی — مشکل کہ باز بینم آن یار آشنا را
حاصل نہ شد چو گلہے کامے ز تیر تدبیر — تدبیر را گذارم گردن نہم قضا را
بگذشت موسم گل شد نالہائے بلبل — تاکے شراب مستی یا ایہا السکارا
اے خسرو زمانہ بکشا و چشم بنگر — در نامہ سکندر احوال مُلک دارا
برباد رفتہ در غم یاراں ذخیرہ عمر — باشد کہ گردش چرخ فرصت دہد شما را
دہ روزہ مہر گردوں افسانہ است افسوں — نیکی بجائے یاراں فرصت شمار یارا

غزل حافظ

دل میرود ز دستم صاحب دلاں خدارا — دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شد آشکارا
سرکش مشو کہ چوں شمع از غیرتت بسوزد — دلبر کہ در کف او موم است سنگ خارا
ہنگام تنگدستی در عیش کوش و مستی — کیں کیمیائے ہستی قاروں کند گدا را
کشتی شکستگانیم اے باد شرطہ برخیز — باشد کہ باز بینیم آں یار آشنا را
در کوئے نیکنامی ما را گذر نہ دادند — گر تو نمے پسندی تغییر کُن قضا را
در حلقہ گل و مل خوش خواند دوش بلبل — ہات الصبوح ہبوا یا ایہا السکارا
آئینہ سکندر جام جم است بنگر — تا بر تو عرضہ دارد احوالِ مُلک دارا

شہزادی زیب النساء کی غزل کا حافظ صاحب کی غزل سے مقابلہ کرنے پر سرسری نظر میں معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ شہزادی نے حافظ صاحب کی غزل سامنے رکھکر لکھی ہے۔ ایسی صورت میں اگر دوسرا شاعر بعض مضامین چھینے نکال لے۔ یا انہیں قوافی کو نشست اور عمدگی سے دکھا دے تو یہ تعجب کی بات نہوگی کیونکہ

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اوّل

لیکن بایں ہمہ شہزادی کے تمام اشعار حافظ صاحب سے بڑھ نہیں گئے ہیں۔ ان کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمایئے۔

شعر اوّل: مضمون تقریباً دونوں شاعروں نے ایک ہی قسم کا اختیار کیا ہے۔ تاہم حافظ کے الفاظ میں چستی، بیساختگی اور ایک قسم کا درد پایا جاتا ہے۔ بخلاف اسکے شہزادی کے شعر میں خوشہ چینی کی بو آتی ہے۔ اور اسکی اہمیت اسوقت اور بڑھ جاتی ہے۔ جبکہ ہم یہ خیال کرتے ہیں۔ ایک شاعر ایک غزل کو سامنے رکھکر غزل کہہ رہا ہے۔

شعر دوم: دوسرے شعر میں "سنگ خارا" کا قافیہ نہایت خوبی سے بیان کیا ہے مضمون بھی نہایت پاکیزہ نکالا ہے۔ طبیعت لڑگئی۔ خدا کی دین ہے جسے دے۔

شعر سوم: گویا حافظ صاحب کے شعر کا جواب ہے۔ یا یوں کہیے۔ کہ انکے خیالات کی تردید کرتا ہے۔ حافظ جی کہتے ہیں کہ تنگدستی میں عیش پرستی ہی ایک نسخہ ہے۔ جو گدا کو بھی بادشاہ بنا سکتی ہے۔

زیب النساء اسکی تردید کرتی ہیں۔ کہ تنگدستی اور مستی (نہ کہ تنگدستی میں مستی) باعث بدنامی ہے غریب بیچارا بادشاہ کی کب برابری کرسکتا ہے۔ بقول شخصے کہ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا۔ یہ تو وہی بات ہے۔ کہ کوّا چلا ہنس کی چال۔ شہزادی کو اخلاقی حیثیت سے حافظ جی پر نکتہ چینی کا خوب موقع مل گیا۔ اور ایسی نکتہ چینی جائز بھی ہے۔ اور فائدہ سے بھی خالی نہیں۔

شعر چہارم: دونوں شعروں کا مضمون یکساں ہے۔ اہل نظر نظر تعمق سے اختلاف طبع کے نازک جذبات کا امتیاز خود ہی ملاحظہ فرمائیں۔

شعر پنجم: حافظ جی کا بڑی آن بان کا ہے۔ خدا سے کہتے ہیں۔ یہ تو سچ ہے۔ کہ میں نیکی کی رہگذر سے لیکن اگر تجھے یہ بات پسند نہیں۔ تو اس تقدیر کو بدل دے۔ گویا وہ نہایت بلاغت کیساتھ لطیف پیرایہ میں فرماتے ہیں۔ کہ جب انسان فعل مختار نہیں۔ تو اسکے لئے سزا جزا کیوں۔

شہزادی کہتی ہیں۔ کہ میری کوئی تدبیر راس نہ آئی۔ اسلئے راضی برضا ہوگئی جیسے کہ کوئی آدمی متواتر کوشش کرتا ہے۔ مگر ناکامی کے سوا کبھی کامیابی کا اسے روشن چہرہ دکھائی نہیں دیتا۔

مجبوراً دہ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہتا ہے۔ اور کہنے لگتا ہے۔ کہ یار وہ تو ہماری تقدیر میں ہی نہیں۔ اسی طرح شہزادی نے اس شعر میں مجبورانہ و معذورانہ لہجہ اختیار کیا ہے۔ اور ان دونوں شعروں میں نازک اور باریک امتیاز ہے۔

شعر ششم :۔ اسمیں مضامین مختلف اختیار کئے گئے ہیں۔ اور اپنی اپنی جگہ دونوں خوب ہیں۔ اور شاید وقت نظر سے کام لینے سے یہ بھی نظر آجائے۔ کہ شہزادی نے حافظ صاحب کے خیالات کی تردید کی تردید کی ہے۔ کہتی ہیں کہ فصل گل بھی گذر گئی۔ بلبل کے نالہ بھی ختم ہوئے۔ اے شرابیو یہ مستی کبتک کئے جاؤ گے۔ بات معقول ہے۔ وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔ ایک وقت میں ایک کام اور ایک کام کے لئے ایک وقت ہونا ضروری ہے۔

شعر ہفتم :۔ مضمون ایک ہے۔ مگر دو پہلوؤں سے باندھا گیا ہے۔ صاحبان طبع سلیم اس لطیف اور نازک امتیاز کو ملاحظہ فرمائیں۔

شعر ہشتم :۔ گو مضامین مختلف اور قوافی میں مختلف ہیں لیکن پھر بھی دونوں میں ایک نہایت لطیف تعلق موجود ہے۔ جو اہل نظر کو وجد میں لاسکتا ہے۔ شہزادی کہتی ہیں۔ کہ ہماری عمر تو غم ہی غم میں ختم ہوگئی کاش انکو ہی فرصت ہو کہ احباب کی صحبت کا حظ حاصل کرسکو۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ موافقت چرخ واقبالمندی دو روزہ ہے۔ اسلئے موجودہ وقت کو غنیمت سمجھو۔ اور دوستوں کی صحبت سے کچھ لطف اٹھائے چلو۔ یا اب تم میں طاقت ہے۔ کچھ نیک عمل کرلو۔ شاید آئندہ تمہیں اسکی مہلت نہ مل سکے۔

زیب النساء مخفی

باغ و بہار۔ آب رواں ایں چہار چیست	دلبر بکام بادہ بکف انتظار چیست
فرصت شمر غنیمت و داد نشاط دہ	حیراں ایں خیال ز انجام کار چیست
ممکن چہ نیست دیدن آئینہ مراد	چندیں شکایت از ستم روزگار چیست
مخفی بقدر طاعت ما گر عطا کنند	در روز محشر رحمت پروردگار چیست

حافظ شیرازی

خوش تر ز عیش و صحبت باغ و بہار چیست	ساقی کجاست گو سبب انتظار چیست
ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار	کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست
پیوند عمر بستہ بموئیست ہوشدار	غمخوار خویش باش غم روزگار چیست
سہو و خطائے بندہ گرش نیست اعتبار	معنئ عفو و رحمت پروردگار چیست

شعر اوّل:۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ عیش صحبت باغ و بہار سے بہتر اور کیا ہے۔ ساقی کو بلاؤ۔ کہ اب انتظار کس بات کا ہے یعنی تمام ضروریات مہیا ہو چکیں۔ دور چلے۔ شہزادی کہتی ہیں۔ کہ باغ و بہار ہے۔ آب رواں ہے۔ مطلوب ہے۔ جام ہاتھ میں ہے۔ پھر انتظار کس بات کا! ۔ ہاں صحبت گرم ہو۔ دونوں شاعروں نے ایک ہی مضمون کو کسقدر نازک امتیاز کے ساتھ باندھا ہے۔ اور ایسے فرق کو صاحب ذوق سلیم طبع ہی بخوبی محسوس کر سکتی ہے۔ شہزادی کا مضمون کسی قدر بلند معلوم ہوتا ہے۔

شعر دوم:۔ دونوں شاعروں کا مضمون و مفہوم تقریبًا ایک ہی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ ہمیں انجام کار کا تو پتہ نہیں۔ کہ کیا ہوگا پھر کیوں وقت فرصت کو غنیمت سمجھکر داد عشرت نہ دیجائے۔

شعر سوم:۔ حافظ فرماتے ہیں۔ کہ عمر کو کوئی قرار نہیں۔ اسلئے "تجھکو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو" زمانہ کے شکوہ شکایت کیا پہلے اپنی تو خبر لے۔ زیب النساء کہتی ہیں۔ کہ جب کامیابی ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ تو پھر آسمان کی شکایت سے کیا حاصل! ۔ اہل نظر دونوں اشعار کے نازک و باریک امتیاز کو نظر انداز نہ فرمائیں۔

شعر چہارم:۔ حافظ جی کو دور کی سوجھی ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ اگر بندوں کے سہو و خطا رضا کے اختیار سے باہر ہیں۔ یعنی انسان اسکی مرضی کے خلاف اپنی ہی مرضی سے افعال کرتا ہے۔ تو پھر عفو و بخشش پروردگار کے کیا معنی۔ یہ مضمون شعر ذیل میں درج ہے۔ ؎

در کوئے نیکنامی مارا گذر نہ دادند
گر تو نمے پسندی تغیر کن قضا را

کا ایک نیا پہلو ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ دونوں اشعار مسئلہ جبر و قدر سے تعلق رکھتے ہیں۔ شہزادی نے ذرا مضمون کو صفائی سے ادا کیا ہے۔ صاف کہتی ہے کہ اگر ہماری عبادت کے برابر ہی معاوضہ ملے تو (جو گویا ایک تجارت ہوئی) تو رحمت پروردگار کیا ہوئی۔ رحمت تو یہی ہے کہ ایک ایک کے دس ملیں۔ حافظ صاحب نے گویا بلاغت سے کام لیا ہے۔ اور یہاں فصاحت ہے۔ اور مضمون تقریبًا دونوں جگہ یکساں وزن رکھتا ہے۔

زیب النساء مخفی

بت پرستانیم یا اسلام ما را کار نیست — غیر تار زلف ما را رشتۂ زنار نیست
پیش از یں اے عقل برمن طعن رسوائی مزن — زانکہ مستان محبت را ملامت عار نیست
لذت درد محبت را زبیدرداں مپرس — قدر زحمت را نداند ہر کہ او بیمار نیست

موسئے باید کہ پائے دل نہد بر دار عشق	بالہوس ننشیں کہ راہے کوچہ و بازار نیست
آشنایاں را چہ پیش آمد مروت را چہ شد	کز وفائی آشنائی در جہاں آثار نیست
زادہ در دیم واز خونِ جگر پروردہ ایم	کوہ ہائے غم اگر آید چوئے آزار نیست
مخفیا گر وصل خواہی با غمِ ہجراں بساز	کاندریں گلزار عالم یک گلِ بیخار نیست

مرزا محمد علی صائب

عشق عالم سوز را با کفر و ایماں کار نیست	گردنِ ما در کمندِ سبحہ زنار نیست
ہر کہ پیراہن بہ بد نامی درید آسودہ شد	بر زلیخا طعن اربابِ ملامت عار نیست
بر رگِ جاہا پیچید تا پریشاں زلف نیست	نبض گلہا را نگیر و چشم تا بیمار نیست
کارِ منصور خالی بود پُر آوازہ شد	ورنہ در میخانۂ وحدت کسے ہوشیار نیست
در حریم پاکبازی بوریا را بار نیست	فقر را با نقشبنداں تعلق کار نیست
ماسبک روحاں مدارا با رفیقاں میکنم	ورنہ بوئے پیرہن را کارواں در کار نیست
پیش ما صائب کہ رطلِ خسروانی میزنم	گنج بان او بغیر از آب گوہر بار نیست

اسی ضمن میں شہزادی کے دو اور صائب کے آٹھ شعر درج ہیں۔ مگر ہم بنظر طوالت یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔ انکے قوافی بھی مختلف ہیں۔ اسلئے انکے مقابلہ کا بھی پورا لطف نہیں۔

شعر اوّل: مضمون تقریبًا ایک ہے۔ مگر صائب نے ذرا چستی سے نظم کیا ہے مجھے اس موقعہ پر ایک شعر خسرو دہلوی کا بھی اسی مضمون کا یاد آگیا جو نہایت مشہور ہے۔ فرماتے ہیں ؎

کافرِ عشقم مسلمانی مرا در کار نیست
ہر رگِ من تار گشتہ حاجتِ زنار نیست

اگر تقدیم و تاخیر زمانہ کا لحاظ کیا جائے۔ تو زیب النسار کا شعر خسرو کے شعر کا چربہ معلوم ہوتا ہے۔ اگر معاصرین کے کلام میں اس قسم کی مشابہت پائی جائے۔ تو اسے توارد کہتے ہیں۔ مگر چونکہ زیب النسا اور امیر خسرو ہمعصر نہ تھے۔ لہٰذا انکی مشابہت کلام کو توارد مضمون نہیں کہا جا سکتا۔

شعر دوم: صائب کہتا ہے کہ جسنے بدنامی کو پسند کیا۔ پھر اُسے کسی کی ملامت اور طعن و تشنیع کی کیا پرواہ۔ دیکھو زلیخا کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کرتی تھی۔

شہزادی کہتی ہیں کہ اے عقل اب سے رسوائی پر مجھے ملامت نہ کیجو۔ کیونکہ دار فتگانِ محبت کو اسکی (رسوائی کی) پرواہ نہیں۔ ناظرین شہزادی کی معنی آفرینی قابل داد ہے۔ اور وارفتگی بہ۔

عقل کو مخاطب کرنا اور رسوائی سے بے پرواہ ہونا اپنی اپنی جگہ کچھ لُطف سے خالی نہیں! اس حُسن معنی کا لطف طبع سلیم اور صاحبان ذوق کو ہی کچھ آسکتا ہے۔

شعر سوم: مضمون دونوں اشعار کا تقریباً ایک ہے۔ مگر شہزادی نے زیادہ لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے کہتی ہیں۔ کہ صرف بیمار ہی صحت کی قدر و قیمت سمجھ سکتا ہے۔ اسی طرح لذتِ دردِ محبت سے بھی انہیں لوگوں کے دل آشنا ہو سکتے ہیں۔ جو درد آشنا ہیں جنہیں اس قسم کے پیش آ چکے ہوں۔ ورنہ جس کی کبھی نہ پھٹی بوائی۔ وہ کیا جانے پیڑ پرائی۔ صائب کا شعر صاف ہے۔ محتاج تشریح نہیں۔

شعر چہارم: اگرچہ ان دونوں اشعار کے قوافی مختلف ہیں تاہم اتحادِ مضمون ضرور ہے۔ اسلئے مقابل میں رکھے گئے۔ صائب کہتے ہیں۔ کہ ظرف مذکور اچھا تھا۔ کہ چھلک پڑا۔ ورنہ میخانہ وحدت میں کسی کو اتنی تاب اور فرصت کہاں۔ وہ مست الست ہیں۔ وہاں یہ ہوشیاری میں کہاں!۔

شہزادی فرماتی ہیں۔ کہ راہ عشق میں قدم رکھنا مرنے کیلئے جیسے خاص خاص لوگوں ہی کا کام ہے۔ اسلئے بوالہوس سے کہدو۔ کہ یہ کوچہ و بازار کی سیر نہیں ہے۔ کہ تم جیسے لوگ بھی خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہو جائیں۔ یہاں آنے کے لئے ذرا حوصلہ درکار ہے۔

ناظرین دونوں شاعروں کی طرز ادا اور بندش اور زور کو ملاحظہ فرمائیں۔

شعر پنجم: شہزادی کہتی ہیں۔ اور کیا خوب کہتی ہیں۔ کہ "آشنا کہاں گئے۔ مروت کیا ہوئی۔ نہ وفا کا پتہ چلتا ہے۔ نہ آشنائی کا۔ اس مقام پر میں آپ کا ایک اردو شعر لکھتا ہوں۔ غالباً ناظرین کیلئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ اگر کثرت سے دنیا میں تو ہے بغض و عداوت کی۔ مروّت کی۔ وفا کی۔ قحط سالی ہوتی جاتی ہے۔ صائب کا شعر گو مختلف مضمون کا ہے۔ لیکن بڑا زبردست ہے۔

معجزہ پاکبازی ہیں بوریا کو بار نہیں کیونکہ فقر کو تعلقات سے تعلق نہیں ہوتا۔"

شعر ششم: شہزادی نے اپنی زبان میں اس اردو شعر کا مفہوم ادا کیا ہے۔ کہ

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

صائب کہتے ہیں کہ یہ ہماری خام کاری ہے۔ کہ ہم کسی کا سہارا ڈھونڈیں۔ ورنہ ہم خود براہ راست بلا توسل گوہر مقصود ہاتھ میں لا سکتے ہیں۔

شعر ہفتم: مقطعے ہیں۔ اور دونوں شاعروں نے مضامین کی بندش میں زور قلم دکھایا ہے۔ ناظرین خود غور فرمائیں۔ اور دونوں شاعروں نے ان دونوں فقروں کا مفہوم ایک اچھوتے پن سے

۹۲۹۶۲۹۹۵۸۰۳

ادا کیا ہے ۔ کہ وہ جہاں گل ہے ۔ وہاں خار ۔ جہاں گنج ہے وہاں مار"
اور اسی ضمن میں مجھے دو شعر امیر خسرو دہلی کے اور یاد آ گئے ہیں ۔ انکا درج کرنا غالبًا لطف سے خالی نہ ہوگا ۔ ؎

از سر بالین من برخیز اے ناداں طبیب
دردمند عشق را دارو بجز دیدار نیست
خلق میگوید کہ خسرو بت پرستی میکند
آرے آرے میکنم با خلق عالم کار نیست

زیب النساء مخفی

کار معشوقاں نمک بر زخم پنہاں ریختن
کار معشوق خون خود در پاے جاناں ریختن
نیست آساں پنجہ بر زلف پریدیاں زدن
خون دل مے باید از دیدہ بداماں ریختن
گر نہادم داغ عشقت بر جگر معذور دار
باغباں را میرسد گل در گریباں ریختن
صحبت بیگانہ دارم بتو اے آشنا
کابرو دشوار باشد پیش خویشاں ریختن
دیدہ خود بر کشا مخفی مگر تا کے تواں
نقد عمر خویش را ہر سو پریشاں ریختن

مرزا محمد علی صائب

نیست آساں خوان نعمت ہائے الواں ریختن
بر گریزاں مکافات است دنداں ریختن
سالہا گل در گریباں ریختی چوں نوبہار
مدتے ہم اشک مے باید بداماں ریختن
مے تواند بلبل با عشق از بال و پر
در گریباں خزاں رنگ گلستاں ریختن
آں قدر موج حلاوت از دہاں او کہ مور
مے تواند قند ہا از شیرۂ جاں ریختن
نقد جاں صائب چرا از تیغ او دارم دریغ
از سر ذرت دور باشد آبروئے مہماں ریختن

اس مضمون کو ایک ہندی شاعر نے خوب نظم کیا ہے ۔ کہتا ہے ؎

جا دیدا گھر آپنے تو کیا جانے سار
عاشق چنگے کس کئے بن دیکھے دیدار

حکیم صاحب اپنے گھر تشریف لیجائیے مریضان محبت کو بالا دیدار مطلوب کوئی تندرست نہیں کر سکتا ۔
شعر اوّل مطلع ہیں ۔ گو قوافی اور مضامین مختلف رکھتے ہیں ۔ تاہم یہ کہا جا سکتا ہے ۔ کہ شہزادی کا مطلع مطلع آفتاب ہے کس صفائی سے طالب مطلوب کے فرائض بیان کئے ہیں ۔ شعر دوم صائب کہتے ہیں ۔ تو مدت تک پھولوں کو جیب میں بھرتا رہا ہے ۔ اب اسکے بدلے تھوڑے عرصہ اپنے اشک دامن پر ڈالے ہونگے جتنی آسائش اٹھائی ہے ۔ اتنی تکلیف بھی اٹھانی ہو گی ۔

شہزادی فرماتی ہیں۔ کہ عاشق نانی جی کا گھر نہیں ہے۔ بلکہ اسمیں خون دل آنکھوں سے دامن تک بہانا پڑتا ہے۔ ہزاروں مصیبتوں کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ شعر سوم سے لیکر پنجم تک یعنی مقطعوں تک قوافی مختلف ہیں۔ مضامین بھی اتحاد نہیں۔ اسلئے مقابلہ کا پورا لطف حاصل نہوگا لہٰذا ہم انکو نظر انداز کرتے ہیں۔ مضامین ذوق سلیم خود ہی ملاحظہ فرمائیں۔ کہ دونوں شاعروں کا اپنے اپنے مقام پر کیا رنگ ہے۔ اور کیا آن بان۔

	مخفی	
آہ خوش باشد کہ بینم بار دیگر روئے دوست		در سجود آیم بہ محراب خم ابروئے دوست
دیدہ یعقوب گر روشن شود نبود عجب		مژدہ وصل گر آرد قاصدے از کوئے دوست
غنچۂ دل بشکفد در سبزہ چوں گل در چمن		دیدۂ دل را کند روشن نسیم کوئے دوست
ہر نفس از رشتہ کارم کشاید صد گرہ		پنجہ گر یک رہ زنم چوں شانہ در گیسوئے دوست
جوئے خوں آرد بجائے شیر مخفی کوہ کن		نشنود از بے ستوں گر شمۂ از بوئے دوست
	غنی	
از تمازم نیست مطلب غیر جست و جوئے دوست		میردم از اشتیاق اُفتاں و خیزاں سوئے دوست
یک نفس منشیں غنیؔ غافل دہنگیرش		تا نگردی خاک ہرگز بر مخیز از کوئے دوست
ماہ تو نتواند از روئے خجالت شد سپید		چوں سیاہی میکند از گوشہ ابروئے دوست
تو نیائے چشم مے جز پرتو خورشید نیست		ما بہ نور دوست مے بینم حُسن روئے دوست
چہرہ خود گرچہ ماہ از چشمہ خورشید نیست		گرد خجلت بہ رخش است از صفائے روئے دوست

ناظرین سے مخفی نہیں۔ دونوں مطلع کس پایہ کے ہیں۔ گو قوافی مختلف ہیں۔ لیکن مضمون متحد ہے اور دونوں شاعروں نے نہایت لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے۔ باقی اشعار بھی لطف سے خالی نہیں لیکن ہم بخوف طوالت زیادہ تشریح نہیں کرنا چاہتے۔ صرف چند الفاظ غنی کے چوتھے شعر کے متعلق لکھے ہیں۔ لکھتا ہے کہ چاند کی روشنی دراصل آفتاب کی روشنی ہے۔ اسی طرح میں بھی یار کے حُسن کی بہار اُس کے حُسن کے نور سے دیکھتا ہوں۔

سائنس دانوں کی مدتوں تحقیقات کے بعد اب جاکر یہ رائے قائم ہوئی ہے کہ ماہتاب چشمۂ آفتاب سے کسب نور کرتا ہے۔ مگر ملاحظہ کیجئے۔ کہ حضرت غنی نے اس تاریکی کے زمانہ میں اس مسئلہ کو بیان کر دیا ہے۔ اور کس لطیف پیرایہ میں یعنی ساتھ ہی ایک صوفیانہ

مسئلہ بھی حل کر دیا ہے۔ نئی روشنی کے دلدادہ جو "ایشیائی شاعری" کو نیچر کے خلاف کہکر برا بھلا کہا کرتے ہیں۔ آنکھیں کھولکر دیکھیں۔ کہ وہی ایشیائی شاعری اپنے دامن میں کن کن علوم کے گلہائے رنگا رنگ بھرے ہوئے ہیں۔ ہاں دیدۂ بینا چاہیئے"

نعمت خان عالی۔ ؎ ہلال عید چوں ابروئے آں دلبر نمے ماند ✽ اگر ماند شبے ماند وگر شب ہا نمے ماند

مرزا صائب۔ ؎ مہ دو ہفتہ ہرگز با رُخِ دلبر نمے ماند 〃 〃 〃 〃 〃 〃

〃 〃 ؎ دلم از مہر آں آئینہ رو در سے ماند 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

〃 〃 ؎ بہ بیں بیمار الفت را کہ بر بستر نمے ماند 〃 〃 〃 〃 〃 〃

ناصر علی سرہندی۔ ؎ چو میوہ پختہ شد بر شاخہائے تر نمے ماند 〃 〃 〃 〃 〃 ✽

〃 〃 ؎ مسافر در سرائے کارواں اکثر نمے ماند 〃 〃 〃 〃 〃 〃

زیب النساء مخفی۔ ؎ حجاب نو عروساں در بر شوہر نمے ماند 〃 〃 〃 〃 〃 〃

〃 〃 ؎ مریض عشق او بسیار بر بستر نمے ماند 〃 〃 〃 〃 〃 〃

کلام مخفی

انتخاب دیوان زیب النساء مخفی

قصیدہ

دربیان تصوف و عشق انگیز

زمستی گر بروں آئی مرا جسم و جاں بینی … ہماں کز درویش صد داغ دلداری ہماں بینی

مرا از موشگافیہات ایدل حیف مے آید … کہ مس را کیمیا دانی سخن را ازمغاں بینی

از ناقص عبارت را دریں بازار نہ فروشی … کہ زر را با ممسک در دست بر وئے امتحاں بینی

چو مرداں بر سر مرداں ناکامی تحمل کن … کہ تقدیر الہی را چو جور آسماں بینی

چو کام دل شود حاصل مشو غافل ز ناکامی … ز روز غم بیاد ر آور چو خود را شادماں بینی

زباں درکام ہمت کس و پائے صبر در دامن … کہ فتح ملک دل در جوہر تیغ زباں بینی

خجالت روشنی در دیدہ بینائی دل گیرد … سر ز نوئے ز خود بینی گر د نہاں بینی

ترا گر صد جگر باشد ز خود بند جگر خوارت … محالست اینکہ میخواہی اثراں کا فراماں بینی

بہائے خاطر ایں نفس کافر ہمچو پروانہ … بر آتش میزنی خود را در آتش گر نہاں بینی

چناں مشتاق عصیانی کہ تا سر حد نا امیدی — گریزی از سعادت گر سعادت را زماں بینی
تو گردوں ہمتے در اوج محنت بال نگشائی — ہمائے اوج راحت را کجا در آشیاں بینی
بخون آلودہ دامان عصمت را دمیخواہی — بہ ایں آلودگی از آتش دوزخ اماں بینی
زغفلت رو بگردانی ز پائے لذت طاقت — سر افلاس خود را زیر دست آشیاں بینی
بدار روئے پشیمانی علاج چشم کج بیں کن — کہ شاید بے حجابی دست روئے آسماں بینی
زمال خود مشو غافل چو مرد سر سیداں — بقا را در بدن تابے فنا را ترک جاں بینی
ز دانش گر نشاں داری مکن افشائے راز دل — کہ چوں منصور سر را بر سر دار زیاں بینی
بر نداں خانمت سے بہر صحبت بہر آں کانجا — فضائے قبلۂ صحبت بہ از باغ جناں بینی
بعزم نیستی یک دم گذر ہستی برد آئی — دولت را در طواف کعبہ روحانیاں بینی
بروں آئی اگر از خود چو نور چشم نابینا — برائے تختۂ ہستی مکاں در لامکاں بینی
وجود را عدم داری ز نادانی خطا کردی — وجود پشہ را کمتر از فیل دماں بینی
بروں کن پنبہ از گوش وبگوش دل سخن بشنو — بہر مجلس ز واعظ انتقامش در بیاں بینی
غزل گفتی چو رشفتی دلے تا من بگو تا کے — طلوع عمر را بر فرق داں فرقداں بینی
ہوائے وصل تو دارند دانم دوستان تو — تو روئے دشمنانت را بہ زعم دوستاں بینی
دلم دیوانہ میگردد چو مے بینم ترا غمگیں — چہ خواہد شد ترا گر جانب ما مہرباں بینی
توئی سلطان بیداد ستم مظلوم سہر گرداں — تو خورشید جہاں باشی مرا خفاش جاں بینی
غرض ایں است چشم را ز خوں تاب جگر خوردن — مرا ہر قطرہ اشکے بہار ارغواں بینی
دریں شیون مزن ہرگز تو از خونریزی ہر گردوں — بچشم امتحاں گر سوئے گلزار جہاں بینی
خود را خاک بر سر کن رسوائے جنوں گردد — جنوں را تاج بر سر کہ بکام دل اذاں بینی
بدار دمفلسی خو کن مشو شرمندہ ہمت — ملائک را اگر بر خوان حاتم مہماں بینی
ہوائے راحت از داری بروں از دو عالم شد — محالست آنکہ در عالم تو راحت را چناں بینی
بزعم دوست با دشمن شگفتہ ہمچو گل بنشیں — غبارے خاطرے ہرگز ز ابنائے زماں بینی
عبث سرگشتہ وادی شد آں مجنوں بیچارہ — طلبگار محبت را مکاں در لامکاں بینی
من از دل داغ میخواہم تو دل از داغ میخواہی — من آتش دوزخاں بینم تو در آتش دخاں بینی
نہ واقف شد تو از راز نہاں عالم بالا — ازاں ایں پر تو خورشید را در آسماں بینی

در د گوہر بزعم خویشتن بریک دگر باشد
بچشم تربیت روئے اگر در بحر دکاں بینی

تو از ملک خراسانی یا رطرح از وطن داری
بخواب شب اگر درد و غم ہندوستاں بینی

ہوائے عافیت داری قدم در راہ جنت نہ
کہ ہر خار کف پارا درفش کاویاں بینی

ز نور دیدہ اے چشم طلب بگذار اگر خواہی
ز رخ آئینہ مقصود اسرار نہاں بینی

مرو در کشور ظلمت کہ بس امر محالت ایں
کہ حسن رومیاں را در نقاب زنگیاں بینی

جہاں در موجۂ دریا ترا جوئیند عود جناں
کہ تو میخواہی کہ بے ملاح خود را برکراں بینی

خرابی جہاں بے وفا از آتش نفس است
ازیں آتش جہاں اندر جہاں بے خانماں بینی

پرید از آشیان زندگانی طائر عمرت
تو چوں صیاد نابینا بزیر آشیاں بینی

ز ہمت گر پر و بالے کشائی در چمن بلبل
بہار صد گلستاں را نہاں دریک فغاں بینی

بگرد آئینۂ دل را بہ آب دیدہ صیقل کن
کہ احوال دو عالم را دراں یک یک عیاں بینی

ز تیر غمزۂ جادو بگردن گوشۂ ابرو
کہ عمر جاودانی در خدنگ ایں کماں بینی

نگیدن چند طفلاں سر پستاں کلفت را
تو شیر عافیت در سینہ شیرگاں بینی

مطلع ثانی

چہ دیدی نفع در شادی کہ داغش بوستاں بینی
چہ نقصاں دیدۂ از غم کہ بستانش خزاں بینی

چراغ دیدہ روشن کن دریں بستاں سرائے دل
کہ خون چشم بلبل را بہار مہرگاں بینی

جرس را بہر از گردن چو از نالہ اثر یابی
شتر آہستہ تر میراں کہ چوں محمل گراں بینی

نصرت آشنا گردی بعیب خود شوی بینا
بچشم دل اگر در روزگارے مردماں بینی

کشتی در دیدہ ہمت اگر دار دوئے بینائی
دروں پردۂ وحدت ہمہ نقش جہاں بینی

نہ بینی غیر رسوائی نہ یابی حرف دانائی
اگر در صفحۂ جزوے کتاب عالماں بینی

چو مجنوں رو بہ وادی کن نزد در صحرائے مختفی
کہ با دلبر دریں عنایت ہمعناں بینی

برد از پردۂ دانش درآ ز صورت عیسے
کہ در ہر گوشۂ خلوت صدا سر نہاں بینی

اگر چشم تماشا را نقاب از چہرہ برداری
متاع دینی و دنیا مہیا پیش ازاں بینی

اگر دونی چہ میگوئید تو در وقت گفتارش
زبانش را سراسر دل او را زباں بینی

لباس فقر پوشیدن ترا وقتے سزاوار است
کہ دلق کہنہ پوشاں را نقاب راستاں بینی

بہ ردیت گردش گردوں ورا اندوہ نکشاید
اگر دانشوری باید کہ بہبود اندراں بینی

سر سرافیا داری بیا زار جهاں بائد   رواج ایں دوکاں را مختصر در نقد جاں بینی
بساط مفلسی برچین و پُر کن ساغر عشرت   اگر خواہی کہ پیراں را دریں عیش جواں بینی
بروز سعی پیدا کن دریں ہنگام ناکامی   کہ چوں دشمن شوی با خود عدو را مہرباں بینی
نہ دیدہ لجہ طوفاں نخوردہ لطمہ دریا   اگر کشتی نشیں باشی تو شان بادباں بینی
بیا از دیدہ عبرت تماشائے گلستاں کن   کہ دست ہر بہارے را در آغوش خزاں بینی
شب تاریک بیم موج و پائے شوق بیقوت   بایں رفتار میخواہی کہ از مقصد نشاں بینی
گذشت ہنگام شب بگو بر آمد آفتاب آہنگ   دریں مقصد بے پایاں تو راہ کارواں بینی
بہم برزن تعلق را چوں مجنوں بیک سو مشو   نہ شور و سر اگر خواہی کہ خود را در اماں بینی
چہ خواہی دید از اں ابرو چہ خواہی یادت از چشماں   کہ ناز حسن او را حسن ناز ترجماں بینی
جوانی رفت و پیری رفت و خواہم میردی آخر   ہنوز اے دیدۂ حسرت بسوئے این و آں بینی
ہوائے دو دماں تا کے دریں منزل سرا سینہ   در آئی چوں دریں بیروں چراغ دودماں بینی
سرش گردم چہ خواہد شد اگر از طرز استغنا   نہ ابرو گوشۂ چشمے بسوئے مخلصاں بینی
چو دانش اگر دانی بآں در کام غیرت کش   ز دست ایں زباں تا کے زباں مال و جاں بینی
بخلوت خانہ بیجاں تو بے منت شوی محرم   دراں مجلس اگر خود را تو از نامحرماں بینی
اگر از پردۂ غفلت بر آئی ہمچو فقر از پوست   گلستان حقیقت را جہاں اندر جہاں بینی
بیاد رفتگاں یک رہ بگورستاں نگاہے کن   کہ تا از چشم انساں آب حسرت را دراں بینی
ہوائے نفس سنگ را خود حیات بخیر دارد   کہ خط مغز را در عکس روئے استخواں بینی

مشو دل شاد اے مخفی ز مرگ دشمناں خود
بیاد آور از اں روئے نہ خود را در جہاں بینی

غزلیات

اے بتو قایم وجود اصل ہر موجود ما   دے بہ تو روشن چراغ گوہر مقصود ما
چوں خمیر طینت ما ز آب رحمت کردۂ   ہم بہ لطف خویش گرداں عاقبت محمود ما
خواہ در طوف حرم خواہی بہ رہبانی دیر   ہر کجا معبد گہے آنجا توئی معبود ما
نالہ ہائے دل سحرگاہے کہ غیر از دود آہ   نیست ممکن صیقل آئینۂ مقصود ما
ہمتے مخفی ز سیل اشک کز سوز جگر   شعلہ سر سے زندہ در راہ آسودہ ما

تا دین جهانگیر تو افراخت علم را
بگرفت اقالیم عرب را و عجم را

بشگفت ترا غنچهٔ لب تا به تکلم
شد ورد زبان ذکر تو مرغان حرم را

شادی جهان جمله به یک جو نه ستانم
آسان نه دهم از کف دل دامن غم را

در راه تو از خون جگر گشت گلستان
بر هر سر خارے که نهادیم قدم را

مانند خط صفحهٔ رخسار تو ننوشت
تا کرده بنا دست قضا لوح و قلم را

مخفی چه ترا اهلِ حرم راه ندادند
محراب دل خویش کن ابروے قضا را

چو بلبل در فغاں آیم چو بینم بوستانش را
چو گل خنداں شوم هر جا که بینم باغبانش را

صبا از بوے پیراهن نگرد چشم ما روشن
نه خیزم از سر این ره بگیرم باغبانش را

چو بنده پاسبانش در بر ویم رو زگردانم
کشم جاروب از مژگاں فضاے آستانش را

گرفتم من را که مرغ دل گرفتار قفس گردد
چه خواهی کرد آخر شعلهٔ آه نهانش را

مگر شد عافیت عنقا کز گردون دون همت
نشان چندانکه می جوییم نمی یابیم نشانش را

بزیر آب اگر دشمن چو ماهی آشیا گیرد
بسوزد شعلهٔ آه من آخر آشیانش را

به بلبل یاد ارزانی گل و گلشن که من مخفی
بهار زندگانی دیده ام فصل خزانش را

غم میکند فزونی اے دوستاں خدا را
شاید نهفته ماند این راز آشکارا

مارا چو موم بگداخت این آتش محبت
تا چند باشدت دل در سینه سنگ خارا

مردیم گردش چرخ رحمے نه کرد برما
تا کے تواں به دشمن صاحبدلاں مدارا

مستی و تنگدستی بد نام خلق سازد
یا طرز شه چه نسبت درویش بے نوا را

کشتی عمر بگشت در بحر ناامیدی
مشکل که باز بینم دیدار آشنا را

حاصل نه شد چو گاهے کامے ز تیر تدبیر
تدبیر را گذارم گردن نهم قضا را

بگذشت موسم گل شد نالهاے بلبل
تا کے شراب مستی یا ایها السکارا

بر باد رفت در غم یاراں ذخیرهٔ عمر
باشد که گردش چرخ فرصت دهد شما را

اے خسرو زمانه بکشاے چشم بنگر
در نامهٔ سکندر احوال ملک دارا

یاراں بزم عشرت مخفی و گوشهٔ عزلت
با عافیت چه کار است درویش بے نوا را

باغ و بہار آب رواں ایں خمار چیست
دلبر بکام و بادہ بکف انتظار چیست

فرصت شمر غنیمت و داد نشاط دہ
حیران ایں خیال ز انجام کار چیست

ممکن چو نیست دیدن آیینہ مراد
چندیں شکایت از ستم روزگار چیست

ہر دور روز عمر گرامی مدہ بہ باد
اندیشہ ہاے باطل ایں کار و بار چیست

گر خون دل ز دیدہ نداوش نداشتی
سیلاب خون ز دیدہ مرا در کنار چیست

اے دل اگر بدست محبت زبون نئی
چوں بے دلاں بدر دلت نالہ زار چیست

مخفی بقدر طاعت ما گر عطا کنند
در روز حشر رحمت پروردگار چیست

محبت پرستانیم یا اسلام ما را کار نیست
غیر تار زلف ما را رشتہ زنار نیست

پیش ازیں اے عقل بر من طعن رسوائی مزن
زانکہ مستان محبت را ملامت عار نیست

موسیٰ باید کہ پاے دل نہد بر دار عشق
با الہوس بنشیں کہ راہے کوچہ و بازار نیست

ہمدمے گر نیست ایدل روز محنت گو مباش
مونسے زندانیاں را بہتر از دیوار نیست

آشیاں را چہ پیش آمد مروت را چہ شد
گر وفا و آشنائی در جہاں آثار نیست

لذت درد محبت را ز بیدرداں مپرس
قدر صحت را نداند ہر کہ او بیمار نیست

صبح دم باد صبا میگفت با مرغ چمن
نالہ را تاثیر نبود گر دل افگار نیست

زادہ ور دیم از خون جگر پروردہ ایم
کوہ ہاے غم اگر آید جوے آزار نیست

مخفیا گر وصل خواہی با غم ہجراں بساز
کندر ایں گلزار عالم یک گل بے خار نیست

آہ خوش باشد کہ بینم باز دیگر روے دوست
در سجود آیم بمحراب خم ابروے دوست

ہر نفس از رشتہ کارم کشاید صد گرہ
پنجہ گر یک دو زنم چوں شانہ در گیسوے دوست

غنچہ دل بشگفد در سینہ چوں گل در چمن
دیدہ دل را کند روشن نسیم بوے دوست

دیدہ یعقوب گر روشن شود نبود عجب
مژدہ وصل گر آرد قاصدے از کوے دوست

بادہ را لبریز کن ساقی و صحبت برشکن
تا بکام دل نشینم ساعتے پہلوے دوست

جوے خوں آرد بجاے شیر مخفی کوہ کن
بشنود از بیستوں گر شمہ بوے دوست

کار معشوقاں نمک بر زخم پنہاں ریختن
کارِ عاشق خود در پائے جاناں ریختن

نیست آساں پنجہ بر زلف پری‌رویاں زدن
خون دل مے باید از دیدۂ بیدہ ماں ریختن

گر نہادہ داغ عشقت بلا جگر معذور دار
باغباں را میرسد گل در گریباں ریختن

دیدہ خود بر کشا مخفی و گر تلکے تواں
نقد عمر خویش را ہر سو پریشاں ریختن

اے ز ابر رحمتت خرم گلِ بستان ما
گفتگوئے حرف عشقت مطلع دیوان ما

مو بموئے ما انا الحق گو ز عشق دار شد
تشنۂ خونِ محبت ظاہر و پنہانِ ما

العطش گویاں بکشتی فنا ہر گوشۂ
صد ہزاراں نوح غرق موجۂ طوفانِ ما

گر قبول افتد ز ما در زندگانی یک جو نیاز
چوں سلیماں سر نہ پیچد دیو از فرمانِ ما

قطرہ اشکے نیابد در رہ بیروئے باد گر
خون دل چوں شد گہر بر ہر سر مژگانِ ما

در شکیبائی چنے اے دل بہ آہ نالہ ساز
نیست چوں درماں پذیر ایں دردِ بے درمانِ ما

گر ز ظلمات ہوس بیروں نہم مخفی قدم
راہ نیابد خضر سوئے چشمۂ حیوانِ ما

خواہم کشم بدیدہ آں خاکِ آستاں را
یا بوسہ زلب رہ آں پائے پاسباں را

پوشیدہ جذبۂ عشق در من تپِ محبت
سلطاں لباس فاخر بخشد ملازماں را

تا کے بتِ غم و شمن در امتحاں عتابم
بشناس بہتر کزیں یارانِ جانفشاں را

آخر دہد بطوفاں بنیاد خانہ خویش
مرغِ نظر چو بیند پُر آب آشیاں را

مفرد ش دیدہ ارزاں گوہر بخاطر دل
یاراں روا نہ دارد بر دوستاں زیاں را

برحال زار بلبل رحمے کرشمۂ کن گل
شاہاں کشیدہ دارند مہر گدا عشاں را

وارث خدائے مخفی در سخن بہ مخفی
زینگونہ نیست در دست زریست بحر و کاں را

۱۰

گرچہ من لیلے اساسم دل چو مجنوں در بلا است
سر بہ صحرا مے زنم لیکن حیا زنجیر پاست

بلبل از شاگردیم شد ہمنشیں گل بہ باغ
در محبت کاملم پروانہ ہم شاگرد ماست

در نہاں خویشم ظاہر گرچہ رنگ نازکم
رنگ من در من چوں رنگ سرخ اندر حناست

بسکہ بار غم بردہ اند اختم بہ روزگار
جامہ نیلی کردہ اند بیں کہ پشت او دوتاست

دختر شاهم ولیکن رو بفقر آورده ام
زیب و زینت بس همینم نام من زیب النساست

هرکه با سنگ ملامت همچو مجنون خو گرفت — پیش ارباب نظر چون گوهر آب رو گرفت
دام چون کس را بگیرد در میان وحش و طیور — دست اعجاز محبت گردن آهو گرفت
چه ندارم سر اگر صد خضر آید بر سرم — بسکه الفت چشم گریان ما سر زانو گرفت
بادشاه حسن آخر شد اسیر قید زلف — تیره روئے آفتابے در سیه دام مو گرفت
آرزوئے سایه ما میکند طیر هما — مرغ دل با آشیان سنبل گیسو گرفت

عاقبت از بیوفائی هائے چرخ کج خرام
مخفی بیچاره رفت و از جهان یکسو گرفت

[illegible] از شمع رویت داده مه خوبان نقاب — تا بصد منت نهد بر پائے تو سر آفتاب
در فراقت زندگانی چون کنم یارب [illegible] — غم قوی محنت فزون دل ناتوان جانم خراب
آنچه حاصل کردم از نزد تو عشق این است و بس — جان کباب و سینه چاک و دل حزین چشم پر آب
خود گرفتم با غم عشق تو باید [illegible] — هر نفس سلسلے بود پیش تو در راه حساب

کامرانی گر کنی مخفی نمانی عمر خویش
گریه بیحد ناله بیحد سینه بریان دل کباب

گر دو تر شعله اینچه ز دل آید بیرون — لخت لخت جگرم مضمحل آید بیرون
مهر نایاب چنان گشته که از غایت یاس — اشک از چشم یتیمان محل آید بیرون

خواه در انجمن شاه بود خواه گدا
بے طلب هر که رود منفعل آید بیرون

خیال چشم جادو کردم امشب — گل مقصود را بو کردم امشب
بیا دست ساغر بر لب نهادم — به آب زندگی خو کردم امشب
تسیلان سرشکم گشت طوفان — بگریه کار دیگر کردم امشب
بهم بزم بلبلان از شام تا صبح — بباغ هجر یاهو کردم امشب
گرفتم خاک کویت را در آغوش — نهالی را به پهلو کردم امشب
[illegible] آرزوئے جان مخفی — هوائے دل بیکسو کردم امشب

دل چو بہ غم خو گرفت ترک و نازہ طلب
غم چو بہ شادی نشست جور و جفازہ طلب

دل چو دعا خواہ شد بہ در یزداں چہ باک
دستِ تمنا بدار ذوق و غازہ طلب

چند تاسف خوری بہر لقائے وجود
جام حق نوش کن ذوق لقازہ طلب

جانب آب حیات خضر گرت رہبر است
در پئے او راہ گیر جام بقازہ طلب

بانگ جرس چوں شنود ہم نفس کارواں
در دلِ تاریک شب ساز و نوازہ طلب

چند بہ بستانِ روی خار بہ پایت شکست
رشکِ گلستاں را نگر نور و ضیازہ طلب

در چمن آرزو شبنم اشکے بریز
مخفی دستاں سرا نشو و نمازہ طلب

اے حسنِ تو آرایشِ صحرائے قیامت
دیں ناز تو برہم زن غوغائے قیامت

گر چہرہ نمائی ز پس پردہ محشر
ہنگامہ شود تماشائے قیامت

چوں وعدۂ دیدار توم فتاد بہ محشر
کار ہمہ افتاد بہ فردائے قیامت

بہ سینۂ ہر کس ز غمِ عشق تو داغ است
سر داشت بر آں آتشِ گرمائے قیامت

ہر روز قیامت گزرد بر دل مخفی
تا چند تواں وعدہ بہ فردائے قیامت

پروانہ صفت ز آتش دل بال و پرم سوخت
چوں شمع ہجر ز پا تا بسرم سوخت

بر بزم خیالت دلم از ساغر حیرت
نوشید شرابے کہ ز گرمی جگرم سوخت

بس آتشِ سودائے تو سر زدہ بدماغش
در ابروی آں مردمک چشم ترم سوخت

بلبل ارہ خودگیر در گلشن آمید
گر بود گل تازہ زراہ محرم سوخت

مخفی ز شرر بود مگر بادہ امشب
کز شعلۂ آں مشت خس خشک و ترم سوخت

۱

چو نیست اہل کرم را کرم دعا باعث
عطائے دوست بجز دشمن خطا باعث

بغیر خواست کرم کن کہ ہست از ہست
بہ پیش اہل کرم نالہ گدا باعث

چہ باک دست مروت اگر زمانہ کشید
بکار سازی ما فضلِ کبریا باعث

وجود ما عدم آرا شد و عدم فرسا
در آفرینش ما بیں! چہ چیزہا باعث

بپائے سعی نیاید بدست چوں دولت
محال عقل بود جستجوئے ما باعث

نہ روزگار شکایت نہ طرز انصاف است
چو در غبار دلم گشتۂ مدعا باعث

رواج سکۂ عشقم کہ بر سر بازار
مس وجود مرا نیست کیمیا باعث

روز واقعہ از ہمگناں مروت خواہ
وصال یوسف و یعقوب شد حیا باعث

ز باز پرس قیامت چہ بیم اے مخفی
چو بہر عفو گناہ ہست مصطفےٰ باعث

تو ئی در ملک خوبی صاحب تاج
بپا بوس تو خوباں جملہ محتاج

بدست کس نیاید چین زلفت
رسیدہ پایۂ حسنت بہ معراج

مر حسن تو باز لف پریشاں
متاع کفر و دیں را کرد تاراج

اگر خواہی خراج حسن گیری
بمنت یوسف مصری دہد باج

اگر پابند عشقت دل نہ بود
ز اقلیم بدن مے کردم اخراج

ز طوفان سرشک دیدہ مخفی
شد آخر دامن من بحر امواج

ناز و ستم یار خریدار دگر ہیچ
مائیم و غم و گوشۂ دیوار دگر ہیچ

شیریں دمے و خسرو و عشرتکدہ مقصود
فرہاد و غم و تیشہ و کہسار دگر ہیچ

فردائے قیامت بکف از نقد دو عالم
مائیم و ہمیں حسرت دیدار دگر ہیچ

ازماند ستاند غم عشق تو اگر جاں
رسوائی ما در سر بازار دگر ہیچ

بلبل بہ فغان است دریں باغ گل باغ
مخفی زدہ ام بر سر دستار دگر ہیچ

مشاطۂ صبا چو کشاید نقاب صبح
گردد خجل بہ پیش رخت آفتاب صبح

ما ابروئے خویش نہ ریزیم پیش غیر
مشکل کشائی ما شدہ چشم پر آب صبح

چوں خضر کے رود سپلے آب زندگی
ہر کس کہ یافت نشۂ جام شراب صبح

یار و کرشمہ ناز و ادا و غرور حسن
مخفی و آہ و درد دل و اضطراب صبح

ہدام زلف تو زد پنجہ تا صبا گستاخ
سرشک دیدہ رواں شد بروئے ما گستاخ

ادب مجوز اسیران کہ از نہایت حسن
بدرد عشق تو شد دیدۂ حیا گستاخ

زچشم زخم خیالت چو بید لرزانم   کہ بید ریغ ور آید بدید ہ اگستاخ
زالف یا ، بده زرد، نگس گلگونش   نہادہ روئے بہ پائے توتا خناگستاخ
ادب ز مردم بیگانہ سبب کن مخفی
زبے ادب نہ شود باکس آشنا گستاخ

تو اگر از روئے معشوقی مے اندر جام خواہی کرد   جہانے را بہ عاشق پیشگی بدنام خواہی کرد
کمند زلف گردانست و آں خال سیہ دانہ   بسے مرغ دل و جاں را اسیر دام خواہی کرد
اگر آئین نازاینست و ایں طرزے کہ تو داری   تو کار صد مسیحا را بیک دشنام خواہی کرد
عنان ناز کترکش خدا را جانب دادی   کہ از جذب محبت وحشیانہ آرام خواہی کرد
غم مہجوری و دوری سخے گنجد بصد نامہ
اگر مخفی ہمراہ صبا پیغام خواہی کرد

زرویت پرتو نورے اگر بر آسماں افتد   فغانے روز رستاخیز در کون و مکاں افتد
فروغ حسن گر اینست و استغنے چنیں باشد   بہ اندک فرصتے آتش بجان انس و جاں افتد
چو با اغیار بہ نشینی بکام خویش از غیرت   مرا زاں آتش مثال شمع اندر استخواں افتد
فتاد آخر بہ رسوائی زعشقم کارے ترسم   کہ آخر راز پنہاں در زبانِ مردماں افتد
بصد افسوس و نو امیدی زعمر رفتہ یاد آورد
چو مخفی را نظر بر چشمۂ نہر رواں افتد

مخمس مخفی

بر غزل حافظ شیرازی

ظاہر نہ شد کہ مطلب ایں دار دگیر چیست   رعنائی گل و چمن لالہ زار چیست
پر کن ز قدحے کہ ندانیم کار چیست   خوشتر زعیش و صحبت و باغ و بہار چیست
ساقی کجا است گو سبب انتظار چیست

ساقی چہار فصل جہاں است روزگار   فصل دے و تموز و خزاں است و نو بہار
با ہر چہار فصل بود بادہ خوشگوار   ہر وقت خوش کہ دست دہد مغتنم شمار
کس را وقوف نیست کہ انجام کار چیست

باشد چہ ابتدا ازل وانتہا عدم ۔ موجود درمیانہ کریم است وذوالکلام
ساقی بیار بادۂ گلگون وجام وجم ۔ دریں موسم بہار وگل در روضۂ ارم
جز طرف جو بہار دمے خوشگوار چیست

بے اختیار وکار نہ صبر است واختیار ۔ زاہد بگو برائے خدا چیست کاروبار
ترک شراب وعشق خطا است در بہار ۔ سہو وخطائے بندہ گرت نیست اختیار
معنی عفو ورحمت پروردگار چیست

دنیاؤ آخرت ہمہ ہردو جمیلہ اند ۔ آبادی وخزانی دمارا وسیلہ اند
گوسے دریں میاں ہمہ مکروحیلہ اند ۔ ہشیار نیست ہردو چہ ازیک قبیلہ اند
بادل بعشوہ کردہیم اختیار چیست

اوراکہ جام مے نہ تواند کسے خاموش ۔ حرفے ازیں ترانہ نخواہد کسے خموش
صوفی باین نوا بہ رساند کسے خموش ۔ زاہد درون پردہ نداند کسے خموش
اے مدعی نزاع تو باپردہ دار چیست

عاشق نشان داغ خود از داغ لالہ خواست ۔ مخمور نشہ از مئے صاف وپیالہ خواست
زیب النساء مراد خود آہ ونالہ خواست ۔ زاہد شراب کوثر وحافظ پیالہ خواست
تا درمیانہ خواستہ کردگار چیست

رباعیات وقطعات

(۱) رباعی

اے آبشار نوحہ گر از بہر کیستی ۔ چیں برجبیں فگندہ ز اندوہ کیستی
آیا چہ درد بود کہ چوں ما تمام شب ۔ سررا بہ سنگ مے زدی ومے گریستی

(۲) رباعی

خانہ بتخانہ درشت ابراہیم ۔ بود ابلیس را بہ گردن راہ
آں عنایت نگر کہ آخر کار ۔ ایں لعین گشت آں خلیل اللہ

(۳) رباعی

دوستے بر مشاعران نادیدہ ۔ غلطی را بہ خود پسندیدہ

سرو را قد یار من گویند — سرو چوبے است ناتراشیدہ

(۴) رباعی

ہر چو فوارۂ سیماب بجوش است امشب — وقت میخواستن در خصت ہوش است امشب
نامہ از جانب فرہاد بہ شیریں ببرید — کہ برائے تو ہوا شیر فروش است امشب

(۵) رباعی

نہ جگر تا بہ سینہ چاک شدیم — سوختم آنقدر کہ خاک شدیم
جانفشانی مگر نہ بود دشوار — مژہ برہم زدیم وپاک شدیم

(۶) رباعی

ساقی بدہ آں مے کہ نشاط انگیزد — از جوش وخروش او خرد بگریزد
یک قطرۂ محتسب بر بزد ساقی — خواہد کہ بہ حکم شرع خویش ریزد

(۷) رباعی

بشیرینی دہانت غنچہ را گفتار بائستی — بہ استقبال قدرت سرو را رفتار بائستی
چنیں دردے کہ من طبیبم یار بائستی — بجائے شربت تشدم لب دیدار بائستی

قطعات

ہردم آزاد گئے غیر سبب راچہ علاج — ما گذشتیم ز لطف تو غضب راچہ علاج
فرض کردم کہ بیاد تو دلم خورشیدم — لیکن این دیدہ دیدار طلب راچہ علاج
آں چہ بر دل گذرد از غم ہجر تو مرا — یک بیک شرح دہم لیک ادب راچہ علاج
بیتواں عشق نہاں داشت مردم لیکن — زردے رنگ رخ وخشکی لب راچہ علاج

قطعہ دیگر

ہردم ز دور لعل تو دیدن چہ فائدہ — دیدن نبات وزہر چشیدن چہ فائدہ
آں بود کہ بر رخ خویش نظر کنی — ورنہ زغیر وصف شنیدن چہ فائدہ
مخفی ز دست یار جامہ مے دری — جاں پارہ ساز جامہ دریدن چہ فائدہ

زیب النساء کے کلام پر رائے

اگرچہ ایک اردو تذکرہ نویس کا یہ فرض نہ ہونا چاہئے۔ کہ وہ کسی دوسری زبان کے

کلام پر اپنی رائے کا اظہار کرے۔ تاہم میں اس تذکرہ کو مکمل کرنے کی غرض سے مجملاً کلام مخفی کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتا ہوں۔ تاکہ ناظرین کتاب ہذا پورا لطف اس مطالعہ سے حاصل کرسکیں۔

دیوان مخفی یعنی کلام زیب النساء پر جب عمومیت کیساتھ نظر ڈالی جاتی ہے۔ تو وہ اپنے مقام پر نہایت پُرزور بلند نظر آتا ہے۔ اس کلام میں گو کسی کسی مقام پر نمک بلاغت سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن سکتہ فصاحت عمومیت کیساتھ رایج ہے۔ مگر بایں ہمہ رنگینی بلند پروازی اور نازک خیالی کی بھی کمی نہیں۔ پھر تشابہہ اور استعارات کا باموقع استعمال اور بھی غضب ڈھا گیا ہے۔ گویا کلام کو لے اُڑا ہے۔ الفاظ کی نشست کا کیا کہنا۔ بلا مبالغہ ایک جوہری مرصع کار (جڑیا) اس سے زیادہ نقاشی اور موزونی نہیں کرسکتا۔

شہزادی کو جہاں ایسا موقعہ آیا ہے۔ وہاں اپنے ہمعصروں سے کیا متقدمین اُستادوں سے بھی کوسوں آگے بڑھ گئی ہے۔ باوجودیکہ وہ ایک نحیف الجثہ عورت تھی۔ جنکو "کمزور مخلوق" عموماً کہا جاتا ہے۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوچکا ہے۔ فصاحت اسکے کلام پر نثار ہے۔ تاہم اسکا کلام بلاغت سے بالکل خالی نہیں۔ بلکہ کہیں کہیں اسکی چاشنی موجود ہے۔ چنانچہ بعض اشعار کی شوکت الفاظ دیکھکر خیال ہوتا ہے کہ اگر شہزادی مدحیہ قصائد لکھتی۔ تو خوب لکھتی۔ مگر اس نے قصیدہ کیطرف بہت کم توجہ کی۔ علاوہ ازیں جو قصائد لکھے بھی ہیں۔ انکا رنگ ہی علیحدہ ہے شہزادی نے جس مضمون کو لیا ہے۔ نہایت خوبی سے باندھا۔ اور خوب نباہا ہے۔

اگرچہ شہزادی کی پیدائش کا فخر ہندوستان جنت نشان کی قسمت میں لکھا تھا لیکن یہ بات نقش بدیوار کردیتی ہے۔ کہ انکی زبان فارسی۔ ایرانی شعراء سے کسی طرح بھی کم درجہ پر نہیں۔ بالکل اہل زبان کے مثل ہے۔ البتہ اسمیں فصاحت کی چاشنی ایرانیوں سے زیادہ پائی جاتی ہے۔ اور میرا خیال ہے کہ شہزادی کے کلام کے ہندوستان میں مقبول عام ہونے کی یہ سب سے بڑی وجہ ہے۔ اسکا کلام مشکلات اور مغلق و دقیق مضامین سے منزہ ہے شہزادی کیلئے یہ بات کچھ کم فخر و مباہات کی نہیں۔ کہ اسکا دیوان ہندوستان سے زیادہ ایران میں قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اور ہندوستان کی مثال وہاں بھی اسکے متعدد قلمی نسخے ہیں۔ مطبوعہ ایڈیشن اہل مذاق کی الماریوں کی زیب و زینت ہیں۔

اسمیں ذرا شک نہیں۔ کہ "کلام مخفی" کلام الملوک ملاک الکلام کا مصداق اور شہزادی زیب النسار کا دعوے۔ کہ ع

سکہ بر نقد سخن رائج ایراں زدہ ام

واقعی قابلِ تسلیم ہے۔ چونکہ شہزادی کے مطالعہ میں دیوان حافظ عمومیت کیساتھ رہتا تھا۔ اس لئے اسکی زیادہ غزلیں حافظ کی غزلوں پر ہیں۔ جسکی ایک اور وجہ تصوفانہ مذاق بھی ہے۔ جو حافظ کے ہاں زیادہ پایا جاتا ہے۔

ایک تذکرہ میں لکھا ہے کہ شہزادی زیب النسا دشروع میں جو غزلیں لکھتی تھی۔ انکے مقطع میں اپنا تخلص نہیں لاتی تھی۔ بلکہ شہزادہ داراشکوہ کا جو اسکو نہایت عزیز تھا۔ اسبات کے ثبوت میں بتایا جاتا ہے۔ کہ دیوان داراشکوہ کا پہلا شعر یہ ہے جس سے اسبات کا باالوضاحت پتہ چلتا ہے۔ سہ

ہمہ موجود در موجود ما

گنج مخفی است موجود ما

مؤلف حیات کی رائے ہے کہ "کلام مخفی" میں تاثیر نہیں! مگر ہمیں اس سے اتفاق نہیں۔ ناظرین خود اسکے کلام کو غور سے پڑھکر اس امر کا تصفیہ فرمائیں۔ خصوصاً اشعار ذیل بالخصوص غور کے قابل ہیں۔

منکہ صد حاتم طے در نظرم مثل گدا	حیف باشد کہ گدا طبع و گدا دل باشم
غم میکند فزدنی اے دوستاں خدا را	شاید نہفتہ ماند ایں راز آشکارا
نالہ در ہنگام محنت عاقبت دوں ہمت است	نیست یکساں کار عالم مخفیا مردانہ باش
بکار کس نمے آید ہنر مخفی دریں عالم	خر عیسے ہنرمند است گر در کیسہ زر دارد
مخفی بقدر طاعت ما گر عطا کنند	در روز حشر رحمت پروردگار چیست
مشاطہ صبا چو کشاید نقاب صبح	گرد د خجل بہ پیش رخت آفتاب صبح
ہر روز قیامت گزرد بر دل مخفی	تا چند اوزن وعدہ بر فردائے قیامت

دیوان مخفی معمولی شاعرانہ مضامین کی کان ہونے کے علاوہ پند ونصیحت کا دریا ہے۔ اور عبرت کا سمندر جسمیں جب تصوف اور معرفت کی موجیں اٹھتی ہیں۔ تو گویا آسمان سے ہی ٹکرا جاتی ہیں۔ چنانچہ ذیل کے اشعار میں شہزادی نے نہایت ہی مفید مضامین نکالے ہیں۔ جو زندگی میں پیش آنیوالے واقعات اور حادثات ہیں۔ ایک حد تک رہنمائی کرنے کیلئے مفید ہو سکتے ہیں۔ سہ

گر بہ چشم تربیت بیند فروغ آفتاب	ہر کجا سنگے بود لعل بدخشاں میشود

اس شعر میں تقریباً ان مشہور شعروں کا مفہوم ادا کیا گیا ہے۔ کہ ؂

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردد مشکلے نیست کہ آساں نشود	اگر خارے بود گلدستہ گردد مرد باید کہ ہراساں نشود	

پیش لایعقل ز دانش دم زدن دیوانگی است		گفتگوئے عقل را با دم عاقل کنند

یعنی بیوقوف کے سامنے دانائی کی باتیں کرنا نادانی ہے۔ ؂

دولتِ خواہی کہ باشد پائدار برقرار
نیست ایں دولت میسر غیر کنج خلوتے

یعنی دولتِ دین عزلت گزینی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ؂

فناہ آخر برسوائی ز عشقم کارے ترسم
کہ آخر رازِ پنہاں در زبانِ مردماں بیٹی

"یعنی بنتی نہیں ہے۔ بات بنائی ہوئی کبھی"

مندرجہ ذیل اشعار میں ضرب المثل ہونے کی قابلیت ہے۔ اور انہیں سے بعض بطور ضرب الامثال ہندوستان اور ایران میں جزو کلام بنے ہوئے بھی ہیں۔ ؂

آرے آرے در طریق خوبرویاں داد نیست

نہ ہر سر تاج و تخت سروری یافت نہ در ہر چشمۂ آب حیات است		نہ ہر اسکندر پیغمبری یافت نہ ہر آئینہ اسکندری یافت

زبان شکوہ کشودن ز غیر بے خردی است
بہ ہر کجا کہ روم یار ہم زباں من است

من ز دل تنگ دل ز من تنگ است		صحبت ما چو شیشہ سنگ است

عاشقاں را مسکن و ماوا بیابان است و بس

ہم دین و ہم دل بیدہ ہم قصد جا نہا کردہ نہ بر جفائے تو بستن سوال دل امید نہ راہ عشق تو بتواں نہفتن اندر دل		تو بر شتا ساقی خود ایں فتنہ برپا کردہ نہ بر جفائے تو قطعے نظر تواں کردن نہ غیر جوشش کسے را خبر تواں کردن

قطرہ قطرہ رفتہ رفتہ موج دریائے میشود
طالب دیدار را دادی عشق گلشن است

نسخہ جات حکماء

علاج بذریعہ پانی :- ہینگ لگے نہ پھٹکڑی اور رنگ سب سے اعلےٰ ہو - اس کتاب میں حسب موقعہ گرم یا سرد پانی کے استعمال سے ہی تمام جسم کی بیماریوں کا علاج کیا گیا ہے - یہ قابل قدر کتاب ہر ایک گھر میں رہنے کے لائق ہے - اسکو بہت جلد طلب فرمائیں - اس نادر ولاثانی کتاب کی قیمت صرف - (۱۴ر)

معلم علم وندانسازی :- دانتوں کے ہر قسم کے امراض اور نسخہ جات نقلی دانت بنانا - معہ تصاویر آلات درج ہیں - قیمت - (۱۴ر)

گربھادہن ودھی :- اسمیں لڑکا و لڑکی پیدا ہونے کی تدبیر - امتحان حمل - حفاظت حمل - وقت تولید سے دو برس تک بچہ کی پرورش کے قواعد درج ہیں - بحروف اردو (۲ر) اور بحروف گورمکھی - (۲ر)

رسالہ سل دق :- دونوں موذی امراض سے بچنے کے لئے یونانی - ڈاکٹری اور ویدک ہومیو پیتھک بالحرکت پانچ طریق سے معالجہ بیان کیا گیا ہے - آپ اسکو یکدفعہ ضرور خرید کر مطالعہ کریں قیمت (۱۴ر)

آئینہ تشخیص امراض :- اسمیں نبض اور قارورہ کے دیکھنے کا حال تشریح وار درج ہے - قیمت (۱۴ر)

رسالہ بواسیر :- اسمیں ویدک وانگریزی ہومیوپیتھک و یونانی چاروں طریق پر اس مرض کا علاج اور تشریح کی ہے - قیمت - (۱۴ر)

رسالہ علاج چشم :- اسمیں آنکھوں کی تمام تشریح معہ کل امراض اور آنکھوں کے بنانے کا حال معہ علاج درج ہے - قیمت - (۱۴ر)

ہومیوپیتھک طبیب :- یعنی ہومیوپیتھک ڈاکٹر یا ہومیوپیتھک مٹریا میڈیکا - ہر قسم کی بیماریوں کا علاج - بطریق ہومیوپیتھک و ہومیوپیتھک ادویات کی تشریح - قیمت - (۱عہ ر)

خضاب معروف بہ زینتِ شباب :- اس میں خضاب کے بہت سے نسخے جنکی پبلک کو ضرورت ہے - درج کئے گئے ہیں - علاوہ یونانی نسخوں کے انگریزی خضابوں کے نسخے بھی اسمیں درج ہیں قیمت (۱۴ر)

کامل حکیم یا وید :- جسمیں تمام ادویہ عرق و شربت سے لیکر گولی اور حب شافہ وغیرہ کی یونانی تمام ادویہ اور ویدک تمام نسخہ جات بتشریح مرض و علاج وغیرہ درج ہے - اسکو یونانی ویدک دوائی سازی کے نام سے نامزد کیا ہے - یہ کتاب ہر وقت پاس رکھنا چاہیئے - قیمت - (۱۴ر)

پاکٹ فارمہ کوپیا اردو :- قیمت صرف (۲ر)

ملنے کا پتہ :- حکیم رام کشن جنرل بک مرچنٹ کٹڑہ تارکشان لوہاری گیٹ لاہور

صنائع کمال کا ذخیرہ

گھر کا درزی: - یہ نادر کتاب سلائی کی لاثانی کتاب ہے۔ اسمیں قریبًا تمام قسم کے کپڑوں کے کاٹنے اور ناپنے کے اصول درج ہیں۔ جو نہایت وضاحت سے لکھے گئے ہیں۔ اور سمجھانے کے واسطے تمام کپڑوں کی شکلیں بھی دیگئی ہیں جو قابلِ تعریف ہیں۔ آخر میں فہرست ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کہ ۲ سے ۴ گرہ لمبا کوٹ و پاجامہ کو کتنا کپڑا لگیگا۔ نہایت ہی مفید کتاب ہے۔ قیمت - (۵ر)

اتالیق فوٹوگرافی: - اس زمانہ میں فوٹوگرافی ایک ایسا ہنر ہے۔ کہ جسکے ذریعہ سے آدمی لاکھوں روپیہ کما سکتا ہے۔ اسیوجہ سے اکثر فوٹوگرافر اس ہنر کی ایک ایک بات کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر مصنفِ بے بدل نے شوقین مبتدی نوجوانوں ہنر کے دلدادہ اور روزگار کے متلاشیوں کیواسطے یہ ایک ایسی کتاب مختصر طریقہ سے لکھی ہے۔ کہ ایک ایک لفظ سمجھا کر صدہا خفیہ رازوں کا انکشاف۔ مصالحہ اور مصالحوں کی تراکیب اور تصویرات کا چمکدار بنانا۔ دھبے اور سیاہی دور کرنا۔ بذریعہ کیمرہ فوٹو کا عکس لینا ایسی ایسی باتوں کا اظہار نہایت وضاحت کیساتھ کردیا ہے ہر ایک مبتدی و کم تعلیمیافتہ انسان بھی بلا مدد اُستاد پورا فوٹوگرافر بن سکتا ہے۔ قیمت - (۸ر)

مجربات پیرس: - بال اُڑانے کا اصلی صابون عرق۔ پوڈر بنانا۔ بال عمر بھر پیدا نہ ہونیکا عمدہ نسخہ۔ ۵ منٹ میں بال سیاہ کرنے کا خضاب۔ دو روپیہ ہر روز کمانے کا عجیب ہنر۔ انگریزی و دیسی صابون۔ موم بتی۔ پنسل۔ ربڑ کی مہریں دانتوں کا منجن۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور کئی ہنر درج ہیں۔ جو کہ ایک معمولی آدمی بھی سیکھکر ہزاروں روپے کما سکتا ہے۔ قیمت - (۴ر)

لیتھو فوٹوگرافی: - ہمنے عام شائقینوں کے فائدے کیلئے اور بے روزگاروں کیلئے تجارت و سودیشی کا صیغہ جاری کرنے کیلئے ایک کتاب بنام فوٹو لیتھوگرافی جو کہ ولایت سے مبلغ عـــہ روپیہ کو ملتی ہے۔ اسکا عام فہم ترجمہ کرکے اردو میں چھپوایا ہے اور قیمت نہایت قلیل صرف (عـــہ) رکھی ہے۔ جسمیں فوٹو چھاپنا اور چھوٹی تصویروں کو بڑا کرنا۔ اس کتاب میں تصویریں چھاپنا وغیرہ درج کیا ہے۔ ہر ایک معمولی آدمی اس کتاب کے ذریعہ سے پانسو روپیہ ماہوار کما سکتا ہے۔ ابھی مطبع سے تیار ہو کر نکلی ہے۔ قیمت - (عـــہ)